ابنِ صفی
جلد نمبر
33
جاسوسی دنیا
98- رلانے والی
99- تصویر کا دشمن

پیش رس

رلانے والی مجھے رلاتی رہی اور کتاب اس بار لیٹ ہوگئی۔ اس کتاب کے اشتہار میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ فریدی حمید کو دیکھ کر متحیر رہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ فریدی سے زیادہ حمید خود فریدی کے معاملے میں متحیر تھا۔

عمران سیریز کے ناول ''گیت اور خون'' زیادہ تر پڑھنے والوں کو پسند آیا تھا اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اتنے خطوط آئے تھے کہ فرداً فرداً ہر خط کا جواب لکھنا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اتنے لکھے کو بہت جانئے اور میرا شکریہ قبول فرمایئے۔ دو چار خطوط میں ناپسندیدگی بھی ظاہر کی گئی تھی۔ بہر حال اُن حضرات کا بھی شکریہ۔

اسی ناول میں کہیں میں نے ''دُرِ یتیم'' لکھا تھا۔ لہٰذا ایک صاحب نے اس کے معنی پوچھے ہیں ''یتیم'' کے لغوی معنی ہیں ''اکیلا''...... خاص قسم کا بڑا موتی جو صدف میں ایک ہی ہوتا ہے...... اسے ''گوہر یکدانہ'' اور ''درِ شہوار'' بھی کہتے ہیں۔

تنبیہہ...... درِ شہوار'' نام کی خواتین بھی ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے انہیں ''دُرِ یتیم'' کہنا شروع کر دیا تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔

جاسوسی دنیا کے پلاٹینم جوبلی نمبر کے لئے ابھی سے تقاضے شروع ہوگئے ہیں۔ مطمئن رہئے۔ پڑھنے والوں کی خواہشات کے احترام میں اس کے لئے بھی کچھ کیا جائے گا۔

ضخیم ناول ''دیو پیکر درندہ'' کا شوشہ میں نے یونہی نہیں چھوڑا تھا۔ دیگر احوال یہ ہے کہ رسائل اور اخبارات کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ کتابیں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ آخر وہی سب کچھ تو کتابوں کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کی گرانی کی بناء پر اخبارات اور رسائل کے دام بڑھائے گئے ہیں۔ فی الحال یہ حقیر پُر تقصیر حالات کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن کب تک...... ہوسکتا ہے عمران سیریز اور جاسوسی دنیا کی قیمتوں میں بھی اضافہ کرنا پڑے۔ لہٰذا کچھ خیال نہ فرمایئے گا۔

ابنِ صفی

١١/١٠/١٩٦٦

حیرت کے لمحات

ہائی سرکل نائٹ کلب کے ڈائننگ ہال میں مدہم سی سبز مائل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میزیں آباد تھیں۔ ہونٹ ہلتے نظر آتے۔ ہاتھ متحرک ہوتے لیکن ملی جلی آوازوں کا آہنگ ہلکی سی بھنبھناہٹ سے آگے نہ بڑھنے پاتا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے جب ہلکی موسیقی ہال میں گونجتی تو پھر آوازیں بالکل ہی دب کر رہ جاتیں۔

کیپٹن حمید اپنی میز پر تنہا تھا۔

تنہا اور اداس...... تنہا اس لئے کہ ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اور اداس اس لئے کہ شادی ہوجانے کے بعد بچے بھی ہوتے ہیں اور انہیں گھر پر چھوڑ کر خود کلب چلے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ کلبوں میں مارے مارے پھرنا کوئی معقول حرکت نہیں۔ لہٰذا وہ شادی کرے گا اور نہ اسے نامعقولیت کے احساس سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تنہائی اور اداسی برحق ہے۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ایک اسپینی نغمہ لاؤڈ اسپیکر سے منتشر ہو رہا تھا۔ فضا میں ایک مانوس سی خوشبو رچی بسی تھی۔

اسی ہال میں اُس نے صدہا خوشگوار شامیں گذاری تھیں...... تنہا بھی اور دوسروں کے ساتھ بھی...... لیکن یہ شام...... نہ جانے کیوں عجیب سی لگ رہی تھی۔

نہ اُسے کسی کا انتظار تھا اور نہ کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آیا تھا...... نہ اداسی لائی تھی اور نہ تنہائی۔ اداس تو وہ یہاں پہنچ کر ہو گیا تھا۔

اس نامعلوم سی اداسی کا دورہ اکثر پڑتا تھا۔ اب اس وقت اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس تاثر کو ذہن سے جھٹک دینے کے لئے کیا کیا جائے۔

دفعتاً کلب کے منیجر پر نظر پڑی جو اُسی کی طرف آ رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھیں پرتپاک انداز میں چمک رہی تھیں۔

''میری خوش قسمتی ہے جناب کہ آپ کبھی کبھی تشریف لاتے رہتے ہیں۔'' اس نے قریب پہنچ کر کہا۔ ''بقول شاعر۔''

''ایک منٹ......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''شعر سنائے بغیر بھی تم مقصد بیان کر سکتے ہو۔''

''جی ہاں...... جی ہاں۔'' وہ دانت نکالے ہوئے بیٹھ گیا۔

''ہوں...... کیا بات ہے؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ عاقر قرحا کسے کہتے ہیں۔''

''ہوش میں ہو یا نہیں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ''میں کوئی موٹر مکینک ہوں۔''

اس پر وہ ہنسی کے مارے دوہرا ہو گیا۔

حمید اُسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا پلکیں جھپکاتا رہا۔ کچھ دیر ہنسی پر قابو پانے میں لگی۔ پھر وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''ارے جناب! بھلا اس کا موٹر یا اس کے میکنزم سے کیا سروکار...... یہ تو ایک حکیم صاحب کے لکھے ہوئے نسخے کی چیز ہے۔''

''اوہ......!'' حمید نے ایسا منہ بنایا جیسے اپنی غلط فہمی پر نادم بھی ہو اور جھلاہٹ میں بھی مبتلا ہو گیا ہو۔

''کئی دن سے ایک نچلی ڈاڑھ میں تکلیف ہے؟'' منیجر نے بسور کر کہا۔

''لاحول ولا قوۃ......!''

''جی......!'' وہ چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''ڈاڑھ......!'' حمید کے لہجے میں حقارت تھی۔ ''تم خود کو شاعر کہتے ہو۔''

''کک...... کیوں......!''

''ایسے کریہہ الصوت الفاظ تمہاری زبان سے ادا کیسے ہوتے ہیں۔''

''واہ جناب...... تو پھر ڈاڑھ کو کیا کہوں۔''

''مت بور کرو۔'' حمید بُرا سا منہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''پتہ نہیں آج آپ کا موڈ کیا ہے؟''

حمید جھنجھلا کر پلٹا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں آج بہت اداس ہوں۔ ہے کوئی علاج تمہارے پاس۔''

''علاج......!'' منیجر نے قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنا بایاں پہلو دبائے ہوئے کہا۔ ''میں بھول جاتا ہوں کہ دل کا مریض بھی ہوں اور مجھے اتنے زور سے نہ ہنسنا چاہئے۔''

''کاش تم کچھ دیر اور اسی طرح ہنستے رہتے۔''

''تو آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔''

''اکثر بیویاں اپنے شوہروں سے ایسے سوالات کرتی ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' منیجر اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تو نیکی کرنے آیا تھا...... یہاں...... یہ بقول شاعر...... ہونہہ......!''

''بیٹھ جاؤ......!'' حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''نہیں صاحب! میں تو دشمن ہوں...... بقول......!''

''شعر اب بھی نہیں سنوں گا......!'' حمید نے اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے

ہوئے کہا۔

''نہیں صاحب! میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' منیجر نے کلائی چھڑانے کیلئے زور لگایا۔

''ٹوٹ جائے گی۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' منیجر نے جھینپے ہوئے لہجے میں کہا اور اس طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اندازہ کرنا چاہتا ہو کہ کسی نے اس کو اس حال میں دیکھا تو نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''براہِ کرم ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ میں نہیں اٹھوں گا۔''

''یہ لو.....!'' حمید نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔''اور موڈ ٹھیک ہونے کے لئے صرف دو منٹ دے سکتا ہوں.....تم نہیں جانتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ ملحوظ خاطر رہے کہ اگر محبوب سے چھیڑ چھاڑ بھی نہ ہوتی رہے تو پھر محبت کا فائدہ ہی کیا.....بقول شاعر.....!''

منیجر بے بسی سے ہنس پڑا۔

اب ہال میں ایک طربیہ نغمہ گونج رہا تھا۔

قریب کی میز سے تازہ کافی کی بھاپ حمید کے نتھنوں تک پہنچی اور اس نے منیجر کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔''تو آج کل نیس کافی چل رہی ہے۔ لیکن یہ امپورٹ تو ہوتی نہیں۔''

''ہرگز نہیں جناب۔ ہم پولسن کے علاوہ اور کوئی برانڈ نہیں استعمال کرتے۔''

''کرتے ہو بھی تو کیا..... جسے ہم چاہیں.....!'' حمید جملہ پورا کرنے کی بجائے صرف بائیں آنکھ دبا کر رہ گیا۔

''مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے جناب.....لیکن معاف کیجئے گا آپ حضرات نے اس کرائم رپورٹر کو بہت سر چڑھا رکھا ہے۔''

''انور کی بات کر رہے ہو۔''

''جی ہاں۔'' منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔''وہ حضرت مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔''

''ایک شکایت لکھ کر میرے حوالے کرو۔ کل ہی بند کرائے دیتا ہوں۔''

''خیر ہٹائیے.....میں نہیں چاہتا کہ بات اس حد تک بھی بڑھے۔''

''تمہاری مرضی۔''

''کیا میں آپ کے لئے کافی منگواؤں۔'' منیجر نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

''نہیں میں جنجر پیوں گا۔ جب بھی معدہ چوپٹ ہوتا ہے تنہائی کے احساس کے ساتھ ہی اداسی بھی بڑھ جاتی ہے۔''

''جواب نہیں ہے آپ کا بھی۔ خیر چھوڑئیے۔ جس طرح آپ حق دوستی ادا کرتے ہیں اسی طرح اس وقت میں بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔''

''یعنی.....تم مجھے ایک بوتل جنجر پلا کر سبکدوش ہو جاؤ گے۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''سمجھنے کی کوشش کیجئے۔'' منیجر بے حد سنجیدہ ہو کر بولا۔

حمید نے حیرت ظاہر کرنے کے لئے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

''کل یہاں ایک حیرت انگیز منظر دیکھنے میں آیا۔'' منیجر حمید کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

حمید نے پھر کچھ نہ کہا۔ منیجر نے خاموش ہو کر اُس کی آنکھوں میں غالباً اپنے جملے کا ردعمل پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

اب حمید سر جھکائے اپنے پائپ کو اس طرح سہلا رہا تھا جیسے وہ پھدک کر اخلاقاً منیجر کی گرد میں جا بیٹھے گا۔

''اور وہ منظر.....!'' منیجر کچھ دیر بعد بولا۔''خدا کی قسم میرے لئے تو بے حد حیرت انگیز تھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی انہیں ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔''

''کیا ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر بانگ دے رہے تھے۔''

''اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز.....ارے وہ ایک عورت کی آنکھوں میں ایسی محبت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے سوچا کاش میں بھی عورت ہوتا۔''

''کسی نے ہوائی چھوڑی ہوگی۔'' حمید بے اعتباری سے ہنسا۔

''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔''

حمید جانتا تھا کہ وہ قسمیں کھانے کا عادی نہیں لہٰذا اُسے سنبھل کر بیٹھ جانا پڑا۔

''لیکن اتنی خوبصورت عورت بھی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔''

''تمہیں یقین ہے۔''

''کاش میں اُس کے حسن کے بارے میں الفاظ کے انتخاب پر قادر ہوتا۔'' منیجر نے ٹھنڈی سانس لی۔

حمید نے پائپ سلگا کر جلدی جلدی دو تین کش لئے اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''لیکن میں نے دیکھا ہے کہ وہ بھی ایک سحر زدہ کی طرح کرنل کے بازوؤں میں آ گئی تھی۔''

''تم اُونگھ تو نہیں رہے۔'' حمید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''یا خدا...... اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھے غارت کر دے۔''

''اچھا...... اٹھو...... چلو اپنے آفس میں چلو۔'' حمید اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولا۔

منیجر کے چہرے پر کچھ ایسی سنجیدگی طاری تھی جیسے وہ اس انکشاف کے بعد دنیا کی اہم ترین شخصیت بن گیا ہو۔

وہ آفس میں آئے...... یہاں اُن کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ منیجر کی حالت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ بھنویں آنکھوں پر جھکی آ رہی تھیں اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ حمید اسکی طرف ایک بار سے زیادہ دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اُس کے چہرے کی کسی نئی تبدیلی پر پتہ نہیں کب ہنسی آ جائے۔

''آپ کو یقین نہیں آ رہا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔ اُسے کسی طرح بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے لیکن حیرت کا اظہار تو مجھے بھی کرنا ہی پڑا تھا۔''

''کیا چہرہ تھا...... کیا آنکھیں تھیں...... ہائے وہ ہونٹ تو بھلائے نہیں بھولتے۔ یاقوت کے تراشے تھے۔ بقول شاعر...... پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے۔''

''اب بس کرو...... آج بب بھی باندھ کر نہیں آیا...... رال ٹپکنے لگی تو کوٹ کا ستیاناس ہو جائے۔!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''وہ ایسی ہی تھی کپتان صاحب...... لیکن جب کرنل صاحب نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی تھی تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اُن مقناطیسی بانہوں میں کسی ہلکی پھلکی سوئی کی طرح کھنچی چلی آئی ہو...... پھر رقص شروع ہوا تھا۔ کرنل ہولے ہولے کچھ کہہ رہے تھے اور وہ خواب گوں آنکھوں سے اُن کا چہرہ تکے جا رہی تھی۔ خود اُس کے ہونٹ ساکت تھے اور مجھے اُس کے دل کی دھڑکن بہت فاصلے سے بھی محسوس ہو رہی تھی۔''

''مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہو۔ مجھے تو بعض اوقات اپنے ہی دل کی دھڑکنیں بھی محسوس نہیں ہوتیں۔''

''اڑا لیجئے مذاق......!'' منیجر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اُسے آپ نے دیکھا ہی نہیں ورنہ آپ بھی اس وقت کہیں اور ہوتے۔''

''خیر ہاں تو پھر کیا ہوا......؟''

''اُدھر وہ دونوں نغمے کی لہروں میں بہے جا رہے تھے اور ادھر ایک آدمی بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اُس نے کئی فورک توڑ ڈالے کئی چھریاں موڑ دیں۔ کئی پلیٹیں مکے مار مار کر توڑ ڈالیں...... سنگ مرمر کی میز پر گھونسہ مارا وہ بیچ سے دو ٹکڑے ہو گئی...... پھر مجھے کھانے دوڑا [illegible]م زادہ۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ کون تھا وہ......!''

''خان وجاہت...... نجم الدولہ کے صاحبزادے۔''

''یہ کن جانوروں کی بات کر رہے ہو۔ میں اس نسل سے واقف نہیں ہوں۔''

''نجم الدولہ کو نہیں جانتے...... کئی آئرن فیکٹریوں کے مالک...... جنہیں لوہے کا خبط

ہے۔لڑکے کا نام فولاد خان رکھا تھا...... سنتا ہوں بیگم صاحبہ نے وجاہت کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس پر تین سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ خاندانی لوگ ہیں...... نوابی گئی تو سرمایہ داری اختیار کی۔ بہرحال اب ہیں تو بنئے ہی لیکن اکڑفوں وہی ہے...... صاحبزادے پانچ چھ سال ٹیکساس میں رہ کر آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے پیدا بھی وہیں ہوئے ہوں...... اردو بھی امریکی لہجے میں بولتے ہیں۔ بات بات پر ایسا منہ بنائیں گے جیسے کسی نے گالی دے دی ہو۔ مگر ہے جناب طاقتور...... میز پر ایک ہی گھونسہ مارا تھا کہ بیچ سے دو ٹکڑے ہو گئی۔''

''تو وہ کیوں تاؤ کھاتا رہا تھا۔''

''عورت دراصل اُسی کے ساتھ تھی۔ کرنل نے اُس کی پرواہ کئے بغیر رقص کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تھے...... اور وہ اُن کے بازوؤں میں کھنچی چلی گئی تھی۔''

حمید کی بھنویں تن گئی تھیں اور وہ بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا تھا۔

''پھر میں نے خان وجاہت کو بڑی بڑی قسمیں کھاتے سنا تھا...... شائد کرنل صاحب کو پہچانتا نہیں...... اس لئے کہہ رہا تھا وہ کوئی بھی ہو میں اُسے جان سے مار دوں گا۔''

''اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ راؤنڈ ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''پھر وہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ سے تنہا واپس آتی دکھائی دی تھی۔ کرنل صاحب تو کہیں نظر نہ پڑے تھے۔''

''تم بتانا کیا چاہتے ہو......؟''

''کمال ہو گیا...... آپ ابھی تک سمجھے ہی نہیں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''کیا......؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''کیا میں ہر ایک کی دم سے بندھا پھرتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم بھی اُس عورت میں دلچسپی لیتے رہے ہو ورنہ اس کے بارے میں اتنی تفصیل سے کیسے بتا سکتے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ تم ہر وقت ڈائننگ ہال یا ریکریئشن ہال کے

چکر لگاتے پھرو۔''

''یہ سراسر اتہام ہے۔''

''بقول شاعر......!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''آپ کی آنکھوں میں مروت نہیں ہے۔'' منیجر اتنی دیر میں غصے سے ہانپنے لگا تھا۔

''خیر میں تو معلوم ہی کرلوں گا کہ چکر کیا ہے...... پھر دیکھنا۔''

''کیا دیکھوں گا......؟''

''کچھ نہیں۔'' حمید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔

منیجر سے ملی ہوئی اطلاع دلچسپ بھی تھی اور تشویش ناک بھی...... اس کا خیال تھا کہ کبھی نہ کبھی آتش فشاں سے لاوا ضرور پھٹے گا۔ فطرت سے کب تک جنگ جاری رکھی جا سکتی ہے۔

وہ عجیب سی بے چینی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ایک بے نام سی خلش...... لاحول ولا قوۃ...... اُس نے سوچا...... بھلا اُسے کیا؟

فریدی صاحب بھی آدمی ہیں...... محاورۃً لوہے کے بنے ہوں گے، لیکن رگوں میں تو خون دوڑ رہا ہے اور دل بھی محاورۃً ہی پتھر کا ہو سکتا ہے لیکن اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ دوسروں کی محبوباؤں پر ہاتھ ڈالتے پھریں گے۔

لیکن آخر وہ عورت کیسی ہو سکتی ہے جس نے ایسے ثقہ آدمی کو اس بے راہ روی پر مجبور کر دیا۔

منیجر کم از کم اُس سے اس کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔

لاحول ولا قوۃ...... اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن کو جھٹکارنے کی کوشش کی۔ بھلا اُسے کیا؟ ہو گا کچھ......!

بوریت بڑھتی جارہی تھی۔

اُس نے سوچا کیوں نہ قاسم کو بلا لیا جائے۔ اس کے ساتھ وقت بہرحال اچھا کٹتا ہے۔

کاؤنٹر سے اُسے فون کیا۔ گھر ہی پر موجود تھا لیکن چھوٹتے ہی بولا۔

''میں اس وقت نہیں آ سکتا۔''

''آخر کیوں......؟''

''میری بیگم ایک استانی سے ایمبرائیڈری کا کام سیکھ رہی ہیں۔''

''بیگم سیکھ رہی ہیں نا......تم چلے آؤ۔''

''نہیں میں دیکھ رہا ہوں......کہیں الٹا سیدھا نہ سکھا دے۔''

''کیسی ہے......؟''

''لاحول ولا قوت......سالے ہمیشہ گندی بات سوچو گے۔''

''ضرور تمہارے معیار کی ہے تبھی......!''

''اچھا بس......!'' دوسری طرف سے جھلائی ہوئی سی آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا......وہ سوچ رہا تھا......عورت......عورت ہر طرف عورت......چہار جانب اسی کے تذکرے......لعنت ہے......اور تو اور......میں خود بھی......تو کیا اب میں خود اپنے ہی سر پر جوتے لگاؤں۔ ارے حد ہو گئی......یہ بوڑھے......عورتوں کی بے راہ روی کا تذکرہ تو منہ بگاڑ کر کریں گے لیکن تفصیل کے ساتھ......رال ٹپکاتی ہوئی آنکھیں اس وقت دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں جب وہ اُن کے چست لباس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہونٹوں میں تو متنفر آمیز کھنچاؤ ہوتا ہے لیکن آنکھیں بھیک مانگتی نظر آتی ہیں اور پھر آخر تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ آج کل کی عورت خود نمائی کے سلسلے میں سخت نامعقولیت کا ثبوت دے رہی ہے......اُوہ......عورت......عورت......!

اُس نے اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیا۔ کس طرح نکلے عورت ذہن سے۔ کیا ضروری ہے کہ بوڑھوں اور اُن کی ذہنی کجروی کے بارے میں سوچا ہی جائے۔ ضرور سوچا جائے گا......کیونکہ عورت کا معاملہ ہے۔ ہزار بار لعنت......خداوندا میں کیا کروں......آدمی کی پسلی سے کسی حوا کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی......تو بڑی شان والا ہے......صرف آدم سے ہی کام چلا لیا ہوتا۔ نہیں چلی......عورت کے بغیر تیری بھی نہیں چلی۔

پھر اُس کا جی چاہا کہ اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر پاگلوں کی طرح چیختا ہوا وہاں سے نکل بھاگے۔ شاید ایسا کر بھی گذرتا......لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک عورت نظر آئی۔ صدر دروازے سے ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ غیر ملکی تھی اور کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن خدا کی پناہ......حسن بے پناہ کی تصویر۔ حمید تو بس دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر یہ بھی بھول گیا کہ ابھی عورت ہی کے تصور سے پیچھا چھڑانے کیلئے دیوانہ پن کی سرحدوں کو چھونے لگا تھا۔

وہ اُسے دیکھتا رہا۔

رفتار کا تو جواب ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے لہروں میں کنول ڈول رہا ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور پر نظر نہ تھی۔

اُس نے اسے ڈائننگ ہال سے گزر کر ریکریئشن ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ نظروں سے اوجھل ہو جانے کے باوجود ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہلکے ہلکے ہلکورے لیتی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

دفعتاً وہ کسی کی سرگوشی پر چونکا......مڑ کر دیکھا تو منیجر نظر آیا......وہ اب بھی اس طرح جھکا کھڑا تھا جیسے اس کے کان ہی میں کچھ کہنا چاہتا ہو۔ اس نے سرگوشی کی۔

''دیکھا آپ نے......!''

حمید نے اثباتی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور ریکریئشن ہال کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

''ارے کرنل صاحب بھی......!'' اس نے منیجر کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی۔

حمید پھر اُس کی طرف مڑا......فریدی پر نظر پڑی......وہ صدر دروازے سے داخل ہو کر اسی طرف آ رہا تھا۔

حمید نے ہونٹ بھینچ لئے اور منیجر کو اس طرح گھورنے لگا جیسے مار بیٹھے گا۔

شائد اُس کی اسی حرکت کی بناء پر فریدی سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔

''کیا بات ہے۔'' اُس نے نیچے سے اوپر تک حمید کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''کک......کچھ نہیں جناب......!'' منیجر ہکلایا۔

''تو پھر......!''

''کچھ نہیں جناب عالی......!'' منیجر نے کہا اور تیزی سے اپنے آفس کی طرف مڑ گیا۔

حمید اب فریدی کی آنکھوں میں بغور دیکھ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر گہری سنجیدگی کے آثار تھے۔

دفعتاً اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں تمہارے آفیسر کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔''

دوسری خبر

کچھ دیر بعد لان کی کھلی ہوا میں حمید کو ہوش آیا...... ورنہ اُسے تو یاد نہیں کہ وہ ہال سے باہر کیسے آیا تھا۔ خود آیا تھا یا......

اس نے دو چار گہری گہری سانسیں لیں اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ خود ہی یہاں تک پہنچا تھا۔ اس نے سوچا...... آخر اس طرح تاؤ کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ لیکن فریدی کا تحکمانہ انداز شائد اپنے اندر اظہار تنفر بھی رکھتا تھا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ منیجر نے اُسے اس عورت کے بارے میں ضرور بتایا ہوگا...... تو پھر...... کیا اُسے اسی طرح پیش آنا چاہئے تھا...... اسی طرح......

ایک بار پھر اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور بڑھتے ہوئے غصے کے اثر سے ذہن قلابازیاں کھانے لگا۔

اچھی بات ہے فریدی صاحب۔ اُس نے سوچا اگر آپ بہکے ہیں تو میرے ہاتھوں آپ کو کافی پریشان ہونا پڑے گا۔

اور پھر اُسے وہ عورت یاد آ گئی جو اُس کے ذہن پر ایک خوابناک سا تاثر چھوڑ گئی تھی۔

''اچھی بات ہے فریدی صاحب۔'' اس بار وہ اپنے سر کو جنبش دے کر بڑبڑایا تھا۔

پارکنگ شیڈ سے اُس نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور بس چل پڑا۔ منزل کا تعین کئے بغیر......

کچھ دیر بعد ایک بھری پُری سڑک سے گذرتے وقت اُس نے پبلک ٹیلی فون بوتھ کے قریب موٹر سائیکل روکی اور اُتر کر بوتھ میں آیا۔

دوسرے لمحے میں وہ ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

''ہیلو......!'' دوسری طرف سے منیجر ہی کی آواز آئی۔

''میں تمہارا مخلص ترین دوست بول رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''یعنی......اوہ کپتان صاحب۔''

''ہاں...... پیارے......اب کیا احوال ہیں۔''

''ابھی میں نے ریکریئشن ہال میں جھانکا تھا...... دونوں الگ میزوں پر تنہا ہیں۔''

''اور وہ نجم الدولہ کے فرزند رشید......!''

''وہ تو ابھی تک نہیں دکھائی دیا۔''

''دونوں میزوں کے درمیان اندازاً کتنا فاصلہ ہوگا......!'' حمید نے پوچھا۔

''اتنا فاصلہ کہ کچھ بھی تو نہیں ہو سکتا۔'' مضطربانہ انداز میں جواب ملا۔

''پھر بھی......!''

''دو میزیں حائل ہیں بیچ میں۔''

''اگر حائل نہ ہوتیں تو تمہاری دانست میں کیا ہوتا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

''کک......کیا ہوتا......یعنی کہ......عجیب سوال ہے۔''

''بتاؤ......!'' حمید غرایا۔

ارے واہ جناب...... یہ اچھی رہی۔''

''میں جواب چاہتا ہوں۔''

''اچھا تو وہی ہوتا جو ہونا چاہئے۔'' غالباً منیجر بھی طیش میں آ گیا تھا۔

''کیا بک رہے ہو......!'' حمید چیخا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے دانت پیستے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

چند لمحے خاموش کھڑا رہا...... پھر دوسرے سکے کا فون کرنے کے بعد دوبارہ ہائی سرکل سے رابطہ قائم کر سکا۔

''خفا ہو گئے...... پیارے دوست......!'' اُس نے بڑے پیار سے کہا۔

''آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں جناب۔'' منیجر کی آواز میں ابھی اکڑ باقی تھی۔

''تھوک دو غصہ مری جان...... ایسی سہانی راتیں بار بار نہیں آتیں۔''

''جی...... جی...... جناب...... یعنی کہ...... ہی ہی ہی...... آپ تو...... ہی ہی...... بقول شاعر۔''

''خیر...... خیر...... سنو بات...... تمہیں ہمارے کرنل صاحب پر نظر رکھنی ہے...... بڑے پارسا بنتے تھے بے چارے۔''

''لل...... لیکن...... اگر انہیں معلوم ہو گیا تو......!''

''وہ میں دیکھ لوں گا...... تم فکر نہ کرو۔''

''بہت اچھا جناب......!''

حمید سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر نکل آیا۔ لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر اُس نے سوچا کیا حماقت ہے؟ میری بلا سے۔ لیکن آخر اس بے تکے روپے کی کیا ضرورت تھی۔ دم سے تو بندھا نہ رہتا...... یا حضرت کو خیال تھا کہ میں آپ کی منظور نظر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ لاحول ولا قوۃ...... لیکن ہے زور دار...... کچھ عجیب سا انداز رکھتی ہے۔ آنکھیں کتنی پُر اسرار تھیں...... اتنی گہری سیاہ آنکھیں اس سے پہلے کسی سفید فام نسل میں نظر نہیں آئی تھیں...... اُوہ...... جہنم میں جائے۔ وہ گردن جھٹک کر موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن تھوڑی دیر تک مختلف سڑکوں پر چکراتے رہنے کے بعد اُس نے سوچا کہ اُسے خان

وجاہت کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ وہ قاسم کے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ ممکن ہے وہ اُس سے متعلق کچھ بتا سکے۔

بس پھر موٹر سائیکل کا رخ عاصم لاج کی طرف ہو گیا۔

تقریباً پندرہ بیس دن سے قاسم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حمید کو توقع تھی کہ اچھے ہی موڈ میں ملے گا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ کچھ ہی دیر پہلے وہ فون پر اپنی بیوی کی کسی استانی کا تذکرہ کر چکا ہے جو ان دنوں اُسے ایمبرائیڈری سکھا رہی ہے۔

بہر حال...... اُس نے سوچا دیکھا جائے گا۔ قاسم کی چڑچڑاہٹ بھی تو پُر لطف ہوتی ہے اور اس وقت وہ تفریح کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا۔

قاسم کی کوٹھی پہنچ کر اُسے اطلاع ملی کہ ''صاحب بزی ہیں......'' لیکن ملازم یہ اطلاع دیتے وقت مخصوص انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ حمید سے واقف تھا۔ دونوں کے تعلقات کا بھی اُسے علم تھا۔

''بے حد ضروری کام ہے۔'' حمید بولا۔

''صاحب...... انہوں نے کہا ہے کہ کسی سے بھی نہیں مل سکیں گے۔''

''مجھ سے بھی نہیں۔''

''آپ ہی کے لئے تو خاص طور پر کہا ہے۔''

''اچھی بات ہے...... تو یہ پرچہ انہیں دے آؤ......!'' حمید نے کہا اور اپنی پاکٹ بک کے ایک صفحے پر لکھنے لگا۔ ''رام گڈھ والے واقعات تمہاری بیوی کو بتا دیئے جائیں گے۔''

صفحہ نوٹ بک سے پھاڑ کر تہہ کرتے ہوئے اُس نے ملازم سے کہا۔ ''اُن کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ میں نہ دینا ورنہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔''

''بہت اچھا صاحب۔''

ملازم چلا گیا اور حمید پورچ میں کھڑا مدہم سروں میں سیٹی بجاتا رہا۔

کچھ دیر بعد قاسم دندناتا ہوا باہر آیا۔ نوکر اس کے پیچھے تھا۔

''تم جاؤ......!'' حمید نے ملازم سے کہا اور اُس نے اُس کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھے۔ قاسم کے ملازمین تک اُس کے بہکنے کے منتظر رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خاصی تفریح مہیا کرتا تھا بہک کر۔

وہ چلا گیا...... قاسم اب بھی خاموش کھڑا حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

''تم سے ایک آدمی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''میں تم سے پوچھتا ہوں......تم نے دھمکی کیوں دی۔'' قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ ''وہ میری جورو ہے۔ میں اُس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

''یہ نیک کام جلد سے جلد کر ڈالو تا کہ میں تمہارے لئے دوسری جورو کا انتظام کر سکوں۔'' حمید نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''میں بھرّے میں نہیں آؤں گا...... چغد نہیں ہوں۔''

''اب اتنی بے اعتباری...... میں تو تمہارے لئے یہاں تک......!''

حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ قاسم کی بیوی بھی پہنچ گئی اور قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''ابے چوب...... ابے چوپ......!''

بیوی دونوں کو خاموشی سے گھورے جا رہی تھی۔

''ہاں...... تو تم...... خان وجاہت کو جانتے ہو......!'' حمید نے اس کی بیوی کی طرف توجہ دیئے بغیر پوچھا۔

''گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت نہیں۔'' قاسم کی بیوی نے تیز لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب......؟'' حمید نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔ پھر جلدی سے بولا۔ ''آداب...... آداب...... بلکہ تسلیمات بھی...... قاسم صاحب تو اب اتنے بداخلاق ہو گئے ہیں کہ بیٹھنے کو بھی نہیں کہتے۔''

''توم......!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''تم تو یہیں پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھو گے۔''

''اب ایسی بھی کیا بداخلاقی......!'' بیوی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بلبلقل...... سالا کہہ رہا ہے بیوی کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں۔ میں دوسری شادی کرا دوں گا۔''

حمید بوکھلا گیا۔ ویسے ہی وہ سمجھتی تھی کہ قاسم کی ذہنی بے راہ روی میں اسی کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا اس بات پر بھی اُسے یقین آ جائے گا۔

پھر قبل اس کے کہ قاسم کی بیوی اُس سے کچھ کہتی اُس نے جھپٹ کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی اور دونوں میاں بیوی کی آوازیں اس کے شور میں دب کر رہ گئیں۔ حمید کا اندازہ تھا کہ دونوں ہی کچھ نہ کچھ بک رہے تھے۔

موٹر سائیکل فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے گزر گئی۔

''یہ زندگی ہے؟'' اُس نے سوچا۔ ''اور اپنے ہی ہاتھوں...... پھر کیا کیا جائے۔''

''عیش......!'' ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی اور اُس نے اگلی ہی سڑک سے موٹر سائیکل کا رخ نیاگرا کی طرف موڑ دیا۔

رات کے نو بجے تھے۔ شہر سے باہر نکلتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے ساری ذہنی گھٹن خلاء کی وسعتوں میں تحلیل ہو گئی ہو۔

موٹر سائیکل خاصی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ نیاگرہ تک پہنچتے پہنچتے اس کا موڈ بالکل ہی بدل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شام ہی سے کافی ہشاش بشاش رہا ہو۔

نیاگرہ حسبِ دستور زندگی سے بھرپور تھا۔ ہال میں بہتیری جانی پہچانی شکلیں نظر آئیں۔ بعض لوگوں نے اُسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی بھی دعوت دی۔ لیکن وہ...... وہ تو اس وقت نہ جانے کیا چاہتا تھا۔

بس ایک ایسی میز منتخب کی جو دور افتادہ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایسی جگہ تھی جہاں سے ہال کی ساری میزوں کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

اتنے بڑے ہال میں ساری ہی میزیں تو انگیج ہو نہیں سکتی تھیں۔ دراصل یہی خیال اُسے نیاگرہ تک لے آیا تھا۔ ورنہ شہر کے ہوٹلوں میں اس وقت تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔

اُس نے ایک بار پورے ہال کا جائزہ لیا اور پھر ویٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ رات کا کھانا بھی ابھی تک نہیں کھایا تھا۔

سوپ پیتے وقت وہ سوچ رہا تھا اتنی واہیات شام گذارنے کا اتفاق اس سے پہلے شائد کبھی نہیں ہوا۔ پہلے فریدی نے سخت توہین کی پھر قاسم پر پھینکا ہوا جوتا خود اپنے منہ پر آپڑا...... لہٰذا اب محتاط رہنا چاہئے...... ستارہ گردش میں معلوم ہوتا ہے۔

کھانا ختم کرکے اُس نے کافی طلب کی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ویٹر مینو کے ساتھ ریکریئشن ہال کا پروگرام بھی لایا تھا۔

اُس میں ایک نیگریس کی تصویر دیکھ کر دل باغ ہوگیا۔ یہ گلوکارہ مصر سے آئی تھی اور آج کل نیاگرہ میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

رنگت جیسی بھی ہو۔ حمید نے سوچا لیکن خدوخال کچھ ایسے بُرے نہیں۔ آنکھیں خاصی پرکشش ہیں۔

اُس نے کاؤنٹر پر جاکر اپنے لئے ریکریئشن ہال میں ایک میز مخصوص کرائی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔ کافی کا انتظار تھا...... ویسے کافی ریکریئشن ہال میں بھی پی جاسکتی تھی لیکن وہ ویٹر کو اس کے لئے ہدایت نہیں دے سکا تھا۔

رات سسک سسک کر رینگتی رہی۔

آخر وہ یہ سب کچھ کیوں کرتا پھر رہا ہے۔ اُس نے سوچا اور کافی کے گھونٹ پہلے سے بھی زیادہ تلخ محسوس ہوئے۔

کس کی تلاش ہے اُسے۔ کیا کسی عورت کی ہم نشینی کا خواہش مند ہے۔ شہر میں ایک نہیں درجنوں ایسی تھیں جو محض فون کال پر دوڑی آئیں۔ یہ بھی نہیں تو پھر کیا چاہتا ہے؟

''تبدیلی...... محض تبدیلی......'' اُس کا ذہن کسی بچے کی طرح چیخ پڑا۔

معمولات زندگی کی یکسانیت بغیر کمائے ہوئے چمڑے کے جوتوں کی طرح تکلیف دہ ہوگئی تھی۔ تو پھر شاید یہ تبدیلی؟ دفعتاً ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ اُس کے چہرے کو دمکا گئی

اور وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کسی نے اُسے اس طرح خواہ مخواہ مسکراتے تو نہیں دیکھ لیا۔

یہاں کا حساب بے باق کرنے کے بعد اُس نے ریکریئشن ہال کی راہ لی۔ نہ جانے کیوں آج یہاں بھی آبادی معمول سے کچھ کم رہی تھی۔ پھر اس کی وجہ بھی اُس کی سمجھ میں آگئی۔ نیم عریاں جسموں والا کیبرے تو تھا نہیں. ایک سیاہ فام نسل کی لڑکی اپنی گلوکاری کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ بھلا اُس سے کسی کو کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید اپنی میز پر تنہا ہی رہا۔

رقص کرنے والے جوڑے اٹھ اٹھ کر چوبی فرش پر جانے لگے۔

حمید بے دلی سے اس ہنگامہ رنگ وصوت کی طرف متوجہ رہا۔ راؤنڈ ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد مائیک پر معلن نے کہا۔

''خواتین وحضرات...... اب ماموزئیل صفورا کلاسوری تشریف لا رہی ہیں۔ موصوفہ نے مغربی اور عرب موسیقی میں کچھ دلچسپ تجربات کئے ہیں۔ اس وقت وہ دونوں کے امتزاج سے اختراع کی ہوئی ایک چیز سنائیں گی اور رقص کے لئے آپ کو اس کے اسٹیپ بھی بتائیں گی۔ ماموزئیل صفورا کلاسوری۔''

اور پھر وہ اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ سانچے میں ڈھلا ہوا جسم تھا۔ آبنوسی رنگت بعض زاویوں سے چمکتی ہوئی سی لگتی تھی اور سفید لباس میں تو بس وہ ہی وہ نظر آرہی تھی پورے ہال میں۔

پھر جب کچھ کہنے کے لئے لب کشائی ہوئی تو حمید کو تشبیہ نہ سوجھ سکی۔ کیونکہ کالے بادلوں کے دامن میں کوندے کی لپک تو بہت پرانی تشبیہ ٹھہری۔

وہ اُس گیت کے بارے میں کچھ بتانے لگی جسے پیش کرنا تھا۔ اس کے بعد رقص کے لئے اسٹیپ سمجھانے لگی تھی۔ کچھ جوڑے اپنی میزوں کے قریب ہی کھڑے ہوکر بتائے ہوئے اسٹیپ کی آزمائش پر اُتر آئے۔ رقص اور گیت...... گیت اور رقص...... بڑا خوابناک ماحول تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں صفورا کسی دوسری دنیا کی مخلوق معلوم ہونے لگی۔ حمید کے ذہن پر ہلکی سی

غنودگی طاری تھی اور وہ نیم وا آنکھوں سے اسٹیج کی طرف تکے جا رہا تھا۔

صفورا جو کچھ بھی گا رہی تھی وہ انگریزی ہی میں تھا۔ لیکن کہیں کہیں اس کی لے نخلستان، خیموں کی بستیوں اور کاروانوں کی جھلکیاں بھی دکھا دیتی تھی۔

کتنا سکون تھا...... کتنی طمانیت تھی...... حمید کو ذرہ برابر بھی احساس نہ رہا کہ وہ کچھ دیر پہلے اداسی اور اکتاہٹ کا شکار رہا تھا۔ وہ رقاصوں کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو بس نغمگی کی اُس جنت میں کھویا ہوا تھا جہاں سرور و کیف کی نہریں جاری تھیں۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی میز سے اٹھا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسٹیج کے قریب اُس جگہ آ پہنچا جہاں آرکسٹرا بیٹھا تھا۔

یہ جسم کی کشش نہیں تھی۔ ایک عجیب سے تاثر کے تحت حمید از خود رفتگی کے عالم میں یہاں تک آ پہنچا تھا۔

مغنیہ نے پہلے تو اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی...... پھر دوسری بار دیر تک اُسے دیکھتی رہی اور جب گیت ختم ہو گیا تو اُس نے حمید کو بہت غور سے دیکھا اور مسکرا کر اپنے سر کو جنبش دیتی ہوئی پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

حمید پھر اپنی میز پر واپس آ گیا۔ رقاص ابھی چوبی فرش ہی پر تھے کہ آرکسٹرا نے رقص کے لئے کوئی اور دھن شروع کر دی اور اب صرف رقص ہی جاری رہا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے ایک ویٹر سے معلوم کیا کہ وہ روزانہ صرف ایک ہی گیت گاتی ہے...... اور اس وقت اپنے کمرے میں واپس گئی ہو گی۔ اسکے گرد مداحوں کی بھیڑ نہیں رہتی۔ الگ تھلگ زندگی گذارتی ہے۔

حمید نے طویل سانس لی اور پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے سوچنے لگا۔ ''خاصی تفریح رہے اگر اس سے دوستی ہو جائے اور میں اُسے اپنے ساتھ ہائی سرکل لے جاؤں گا...... ہاہا......'' اُس نے دل ہی دل میں قہقہہ لگایا اور اداسی کے بادل چھٹنے لگے۔

کمرے کا نمبر بیرے سے معلوم کر چکا تھا۔ پائپ سلگا کر تھوڑی دیر تک ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر اُسے راکھدان میں جھاڑ کر اٹھ گیا۔

لفٹ کے ذریعہ دو منزلیں طے کیں اور ٹھیک اسی کمرے کے سامنے آ رکا جہاں صفورا مقیم تھی۔ دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے آواز آئی۔ ''ایک منٹ ٹھہرو۔ میں لباس تبدیل کر رہی ہوں۔''

اور پھر ٹھیک ایک منٹ بعد اس نے دروازہ کھولا تھا اور حمید کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''آٹوگراف......!'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

حمید نے خاموشی سے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''پھر......!''

''میں نہیں جانتا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور صفورا اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

''اسٹیج کے قریب تم ہی کھڑے تھے۔'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ہاں...... شائد میں ہی تھا۔''

''یقین نہیں ہے۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

''میں کچھ نہیں جانتا...... جب مجھے ہوش آیا تھا تو میں نے محسوس کیا تھا کہ اسٹیج کے قریب کھڑا ہوں اور مجھے بڑی شرمندگی ہوئی تھی۔''

''اوہ...... معاف کرنا...... میں نے ابھی تک تمہیں اندر آنے کو نہیں کہا۔''

''کیا ضرورت ہے...... میں یہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔''

''پھر آئے کیوں تھے؟''

''میں یہ بھی نہیں جانتا۔''

''عجیب آدمی ہو...... آؤ...... اندر آؤ...... میں تمہارے دیس میں اجنبی ہوں۔''

''میں تو اپنے ہی دیس میں اجنبی ہوں۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

''واقعی عجیب ہو...... آؤ...... آؤ......!'' وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ''لیکن میرا خیال ہے کہ موسیقی سے دلی لگاؤ رکھتے ہو۔''

''شائد......!''

حمید اندر آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ میز کے گوشے سے ٹک گئی تھی۔ اس کے جسم پر زرد رنگ کا سلیپنگ گاؤن کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ کالی رنگت کچھ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔

حمید نے سوچا آنکھیں یقیناً خوبصورت ہیں۔

''تو بس تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔''

''یہی بات معلوم ہوتی ہے......!'' حمید نے اس طرح کہا جیسے اس کے بیان کی تصدیق کے لئے اپنے ذہن کو ٹٹول رہا ہو۔

''اچھا تو ملو......!'' وہ ہنس پڑی۔ اس ہنسی میں بھی بلا کی نغمگی تھی۔ اگر حمید آنکھیں بند کر کے یہ آواز سنتا تو اور زیادہ محظوظ ہوتا۔

''میں یہی تو نہیں جانتا کہ لوگ کس طرح ملتے ہیں۔''

''تم کون ہو......؟''

''میرا نام حمید ہے......ساجد حمید......!''

''کیا کرتے ہو۔''

''جب سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں تو رونے لگتا ہوں۔''

''تم نشے میں تو نہیں ہو۔''

''میں شراب نہیں پیتا......!'' حمید نے کسی قدر ترشروئی سے کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک اُسے بغور دیکھتی رہی پھر پوچھا۔ ''کیوں نہیں پیتے۔''

''اس لئے کہ مسلمان ہوں۔''

''تو مذہبی آدمی ہو۔''

''یقیناً......!''

''کتنی بیویاں ہیں۔''

''ایک بھی نہیں......؟''

''تعجب ہے......ہمارے یہاں تو بیویوں کی تعداد......!''

''نہیں......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بیوی کے موضوع پر کچھ نہیں سننا چاہتا۔''

وہ پھر کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتی رہنے کے بعد بولی۔ ''میں نے محسوس کیا ہے کہ تم لوگ بھی سفید فام نسلوں کی طرح ہمیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔''

''میں نہیں سمجھا......!''

''تم پہلے آدمی ہو جو مجھ سے ملنے آئے ہو۔''

''یہ بات نہیں ہے......تم غلط سمجھیں......ہمارے یہاں کے لوگوں کو......!''

''خیر......ہٹاؤ......میں تو یہاں بات کرنے کو بھی ترس گئی۔''

''کیا تم اکیلی ہی آئی ہو۔''

''ہاں......!''

''کوئی منیجر تو ہوگا ہی۔''

''نہیں کوئی بھی نہیں۔''

''اور آرکسٹرا......!''

''وہ بھی میرا اپنا نہیں ہے۔''

''یہ تو بہت بُری بات ہے۔ آدمی کو تنہائی کا احساس نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ بعض اوقات خودکشی تک کر لیتا ہے۔''

''میں ایسے کسی احساس سے آج تک دوچار نہیں ہوئی۔''

''ضرور ہوئی ہوگی......لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُسے سمجھ بھی سکو......!''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو......!''

''کچھ بھی نہیں۔ بس میں بھی احساس تنہائی کا مارا ہوا ہوں۔''

''کیا سچ مچ بیوی بچے نہیں ہیں۔''

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اب حمید کی طرف نہیں دیکھ

رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''میں تمہارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں لیکن کوئی ساتھی نہیں ملتا۔''

''اگر میں اپنی خدمات پیش کروں تو......!''

''بصد خوشی قبول کی جائیں گی......!'' اُس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ جو بڑی محبت سے ہاتھ میں لیا گیا تھا۔

''اچھی بات ہے...... میں کل سے تمہیں شہر دکھانے کی مہم شروع کروں گا۔''

''پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ تم جو اتنی مہربانی سے پیش آرہے ہو اس کا بدل میں کس طرح دے سکوں گی۔''

''ناک دبا کر مرغ کی بولی بولو...... تین بار......!'' حمید نے کسی قدر غصیلے انداز میں کہا۔

وہ مسکرا دی اور اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''کیا تم ہماری زبان...... اردو سمجھ سکتی ہو۔''

''نہیں...... اسی بات کا افسوس ہے۔ لیکن یہاں تو سبھی انگریزی بول سکتے ہیں۔''

''ہاں...... آں......! بعض اوقات تو اپنی زبان بھی انگریزی ہی لہجے میں بولنے کی کوشش کر ڈالتے ہیں۔''

''پھر تم مجھے اپنا گھر بھی دکھاؤ گے...... کیوں؟ میں تم لوگوں کا گھریلو رہن سہن بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''ضرور...... ضرور......!'' حمید نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ اس کو اسی وقت گھر دکھا دیا جائے۔

''کیا میں تمہارا فون استعمال کر سکتا ہوں۔''

''یقیناً...... بڑی خوشی سے۔''

حمید نے آپریٹر کو ہائی سرکل کے نمبر بتائے اور دوسرے ہی لمحے میں منیجر سے رابطہ قائم

کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

''ہلو......!'' دوسری طرف سے گھٹی گھٹی سی آواز آئی۔ ''آپ کہاں سے بول رہے ہیں جناب عالی۔''

''کہیں سے بھی بول رہا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا؟ میری بات کا جواب دو۔ کیا اب بھی کرنل وہاں موجود ہیں۔''

''ایسے ویسے موجود ہیں...... بقول شاعر...... میرا خیال ہے کہ آج ہی رات کو میرا بیڑا غرق ہو جائے گا۔''

''وہ کس طرح عزیز از جان۔''

''عمارت کے چپے چپے پر مشتبہ آدمی نظر آرہے ہیں اور وہ حضرت ناچ رہے ہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر...... لڑکی آج تنہا ہے۔ خان وجاہت کا دور دور تک پتہ نہیں۔''

''کیا وہ آج آیا ہی نہیں۔''

''جناب...... اسی وجہ سے تو تشویش ہے...... کئی خونخوار قسم کے اجنبی میں نے کرنل کے آس پاس دیکھے ہیں اور وہ حضرت ہیں کہ گرد و پیش سے بے خبر...... گویا کیف و سرور کے دھارے میں بہے جا رہے ہیں بقول شاعر......!''

حمید کی آنکھوں سے گہری تشویش کے آثار نظر آئے اور اُس نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل میں رکھ دیا۔

اُس کی کہانی

فی الحال تو اسکیم خاک ہی میں مل گئی تھی اور اب پھر اُس کی موٹر سائیکل سنسان سڑک پر فرائٹے بھر رہی تھی۔ وہ شہر واپس جا رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ہائی سرکل نائٹ کلب تک

جا پہنچے۔

فریدی کے بارے میں یہ بات آج ہی اس کے علم میں آئی تھی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ پچھلی رات وہ رنگین حادثہ اچانک ہوا ہو۔ پتہ نہیں کب سے چکر چل رہا ہو۔ شہر میں ہائی سرکل ہی تو ایک تفریح گاہ نہیں۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ خان وجاہت نے اُن دونوں کو پہلی بار اس حالت میں دیکھا ہو۔

''آہ.....کرنل مرحوم...... ہارڈ اسٹون آنجہانی......!'' اس نے بڑبڑا کر اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ چٹانیں جب پگھل کر لاوا بنتی ہیں تو پھر انہیں دنیا کی کوئی طاقت اُن کے مقام تک واپس نہیں لے جاسکتی۔ سالہا سال کا تجرد شائد اپنے معیار کی چیز کا متلاشی تھا۔ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ فریدی صاحب......اور دھینگا مشتی بسلسلہ رومان......خداوندا بڑی شان والا ہے تو......؟ عظموں کے پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر دلدل میں پھنسنے کے لئے پستیوں کی طرف لڑھکتے آرہے ہیں۔

حمید کو ہوش نہیں کہ وہ نیاگرہ سے ہائی سرکل تک کتنی دیر میں پہنچا تھا۔ کمپاؤنڈ میں موٹر سائیکل کھڑی کی۔ برآمدے میں آیا۔ لیکن فوری طور پر ہال میں داخل ہونے کی ہمت نہیں پڑی۔ اس لئے سیدھا منیجر کے آفس کی طرف چلا گیا۔ وہ موجود تھا۔ لیکن چہرے پر اضطراب کی لہریں تھیں۔ بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔

''میں واقعی بالکل گدھا ہوں۔'' وہ حمید کو دیکھتے ہی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''تم پہلے بھی مجھ سے اس کی تصدیق کرسکتے تھے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں......مجھ جیسے احمق کو زندہ نہ رہنا چاہئے۔''

''بتاؤ کس طرح مرنا پسند کرو گے۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''سنجیدگی سے ماروں گا......تم مطمئن رہو۔''

''میں اپنا سر دیوار سے ٹکرادوں گا......سمجھے۔'' وہ روہانسی آواز میں چیخا۔

''بقول شاعر......

سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

منیجر کچھ نہ بولا۔ ایک طرف گردن ڈالے فرش کو گھورتا رہا۔

''آخر کچھ معلوم بھی تو ہو......!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''صاحب...... یہ سب میری عقل کا فتور ہے...... کسی کو الزام نہیں دیتا۔'' منیجر نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

''میری بیوی قہر خداوندی ہے۔ جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔''

''صرف تمہاری ہی نہیں۔ ہر آدمی ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور یہ سوچتا ہے۔''

''میری سچ مچ عذاب الٰہی ہے......آپ سے کیا پردہ۔''

''چلو خیر تسلیم......لیکن بات کیا ہے۔''

''وہ کرنل والی بات زبان سے نکل گئی تھی اور نکلتی کیوں نہ۔ آپ کے چلے جانے کے بعد میرا اگلا جو دبایا تھا اس نے...... میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ خدارا شکوک وشبہات والی باتیں نہ کیجئے۔ بہرحال سب کچھ اگلنا پڑا۔ پھر یہ بتایا کہ آج خان وجاہت نہیں آیا لیکن کچھ اجنبی دوسرے ممبروں کے مہمانوں کی حیثیت سے داخل ہوئے ہیں اور ان دونوں کی نگرانی کررہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ لگ گئی اُن کی ٹوہ میں...... ابھی کچھ دیر پہلے جب کرنل اور وہ لڑکی ایک ساتھ باہر جارہے تھے میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں ان لوگوں کا تعاقب کروں گی۔ کیونکہ وہ اجنبی بھی اُنکے ساتھ ہی اٹھ گئے ہیں...... میں نے لاکھ منع کیا...... خوشامد کی لیکن کون سنتا ہے۔''

''بھلا وہ محترمہ تعاقب کرکے کیا کریں گی......!'' حمید پر تشویش لہجے میں بڑبڑایا۔

''جی ہاں......آپ خود سوچئے بھلا۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ کدھر گئے ہوں گے۔''

''اندازہ......کمال کرتے ہیں جناب آپ بھی...... یہاں اس کمرے میں بیٹھ کر مجھے کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔''

"اچھا......اچھا......میں سمجھا۔ غالباً محترمہ دھمکیاں بھی دے گئی ہوں گی۔ یعنی اُن کی ٹوہ میں تم نہ رہو۔"

"خدا سمجھے۔" منیجر نے کہا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور منیجر نے اس طرح ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے فون ہی کو اٹھا کر پٹخ دے گا۔

کال ریسیو کرتے ہی منہ کچھ اور بگڑ گیا تھا۔ لیکن پھر حمید نے محسوس کیا جیسے بگڑے ہوئے خدوخال آہستہ آہستہ معمول پر آرہے ہوں......وہ صرف "ہوں! ہاں......!" کرتا جارہا تھا۔ کبھی کبھی دزدیدہ نظروں سے حمید کی طرف بھی دیکھتا۔ بالآخر اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور حمید سے بولا۔

"واپس تشریف لارہی ہیں محترمہ......سنسان سڑک پر تعاقب کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ فرمایا ہے اگر کیپٹن حمید کی کال آئے تو انہیں اطلاع دے دی جائے۔"

"کیسی اطلاع......!"

"یہی کہ لڑکی اپنی گاڑی میں ہے۔ اُس کے پیچھے کرنل صاحب اپنی گاڑی میں ہیں اور ان کی گاڑی کے پیچھے ایک اسٹیشن ویگن ہے۔ جس میں وہ چھ آدمی ہیں جو یہاں اُن دونوں کے آس پاس منڈلاتے رہے تھے۔"

"بہت بہت شکریہ......!" حمید دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔

"سنئے تو......مطلب یہ کہ......!"

لیکن حمید اب کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اُس کی موٹر سائیکل اب پھر نیاگرہ کی طرف جارہی تھی۔

میاں عشق کرنا تھا تو اپنے ہی خادم قدیم سے بھی مشورہ لے لیا ہوتا۔ اُس نے سوچا۔ اب یہ کچھ اُس قسم کا عشق تو ہے نہیں کہ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق! کبھی نہ کبھی ایسی چوٹ کھانی ہی پڑتی ہے تو پھر کیوں نہ ہر وقت اور ہر زمانے میں عشق کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

اب بندے خاں ہیں جس رفتار سے چاہیں عشق کر سکتے ہیں۔ ٹھوکر کھانے کا امکان نہیں۔ یقیناً وہ چھ آدمی خان وجاہت ہی کے غنڈے ہوں گے۔ اب چونکہ اناڑی ہیں اس میدان میں لہٰذا رقیب روسیاہ کا چہرہ محبوبہ کی جلوہ جہاں تاب میں گم ہوگیا ہوگا۔

آندھی اور طوفان کی طرح موٹر سائیکل راستہ طے کررہی تھی لیکن ابھی تک وہ تینوں گاڑیاں نظر نہیں آئی تھیں۔

پھر وہ نیاگرہ تک جا پہنچا۔ پارکنگ شیڈ میں فریدی کی لنکن کھڑی دیکھی۔ حمید نے طویل سانس لی اور سوچا چلو یہاں تک تو خیریت سے پہنچ گئے۔ بائیں بازو کے نیچے بغلی ہولسٹر کو تھپکی دیتا ہوا وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

یہاں ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ یقیناً ریکریئشن ہال میں ہوں گے۔ اس نے سوچا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ یہاں اس نے کلرک سے کہا کہ وہ صفورا کے کمرے سے فون کنکٹ کردے۔

صفورا جاگ رہی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ کال کرنے والا کون ہے۔ لیکن پھر حمید کے وضاحت کرنے پر چہکنے لگی۔

"تم تو چلے گئے تھے۔"

"ہاں! لیکن دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ پتہ نہیں کیوں یہ رات مجھے زندگی سے بھرپور نظر آرہی ہے۔ کیا تم نیچے نہ آؤ گی۔"

"آجاؤں۔"

"یقیناً......میں ڈائننگ ہال میں تمہارا منتظر ہوں۔ پھر بال روم چلیں گے۔"

"او......کے......!" سلسلہ منقطع ہوگیا۔

کتنی مترنم آواز ہے۔ حمید نے سوچا۔ "دیکھے بغیر چاہا جاسکتا ہے۔"

وہ ایک خالی میز کے قریب بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

صفورا نے ڈائننگ ہال تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ ساری نظریں اُسی کی طرف اٹھ

گئیں۔ سفید بلاؤز اور نارنجی اسکرٹ میں بہت نمایاں ہوگئی تھی۔

حمید نے اٹھ کر اُس کا استقبال کیا۔

"تم شہر جا کر واپس بھی آ گئے۔"

"تمہاری آواز راستے بھر کانوں میں گونجتی رہی تھی۔"

"اُوہو......تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری آواز کا جادو تم پر چل گیا ہے۔ اسکی آنکھیں چمکنے لگیں۔"

حمید نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرتا رہا۔ اس وقت اُس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو......اُوہو......تم تو میری طرف دیکھ بھی نہیں رہے۔ پھر کیوں واپس آ گئے......اپنے ذہن میں میری آواز کی بازگشت محسوس کرتے رہتے۔"

"اُوہو......تم غلط سمجھیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "آؤ......بال روم میں چلیں۔ میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ شہر کے کس گوشے سے کل ہم شروعات کریں۔"

حمید نے بال روم کے لئے دو ٹکٹ خریدے اور ایک بار پھر اسی سیل رنگ و آہنگ میں ڈوب گیا۔ صفورا اُس کے بازوؤں میں تھی......اور وہ نہ جانے کیوں زندگی میں پہلی بار خود کو بے حد پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ وہ سب اتنے قریب قریب تھے کہ موسیقی کی عدم موجودگی میں وہ ایک دوسرے کی سرگوشیاں بھی صاف سن سکتے۔

ذرا ہی سی دیر میں حمید یہ بھی بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ وہ تو بس اس سیاہ فام لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا جس نے اس کی ایک شرارت آمیز اسکیم کو بھی خلوص سمجھ لیا تھا۔ نغمگی کے سیلاب میں بہہ جانا اور بات تھی۔ لیکن آج سے پہلے وہ کسی نیگرس کے قرب کے تصور کو بھی مضحکہ خیز سمجھتا لیکن یہ کیا احساس تھا۔ کتنی طمانیت تھی اس قرب میں۔ وہ اس کی سرگوشیاں سن رہا تھا۔ خود بھی بھرائی ہوئی آواز میں کبھی کبھی کچھ کہہ دیتا اور صفورا کے ہونٹوں پر خوابناک سی مسکراہٹ انگڑائیاں لینے لگتی۔ بھرے بھرے سے ابھرے ہوئے ہونٹ بڑے

جاندار لگ رہے تھے۔ نہ رنگت سے متعلق احساس تنفر باقی رہا تھا اور نہ اپنی پسند کے معیار سے گرے ہوئے خدوخال ہی کسی ناخوشگوار ذہنی کیفیت کا باعث بنے تھے۔ اُسے تو بس ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نورانی حلقے میں گھرا ہوا خلاء میں پرواز کر رہا ہو۔ صفورا پہلی ہم رقص تھی جس نے اس کی روح کو بھی جھنجھوڑا تھا۔

ایک سیاہ فام اور بدشکل لڑکی نے اُس کی روح کو جھنجھوڑا تھا۔

کیا وہ خود کم متحیر ہوا ہوگا۔ پتہ نہیں کب تک انہیں احساسات کے تانے بانے میں الجھا رہتا۔ اگر اچانک فریدی پر نظر نہ پڑ گئی ہوتی۔ وہ اُس سے تھوڑے فاصلے پر تھا اور اس کی ہم رقص وہی عورت تھی جسے ہائی سرکل میں دیکھ کر وہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں رہا تھا۔

وہ سر اٹھائے ایک ٹک فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور فریدی کی پلکیں تو اس طرح جھکی ہوئی تھیں جیسے کسی تیز قسم کی شراب کے نشے نے انہیں بوجھل کر دیا ہو۔

"خدایا رحم......!" دفعتاً صفورا کی آواز سرگوشی کی حدود سے نکل اُس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک پڑا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے!"

"کچھ نہیں......کچھ نہیں۔"

حمید نے اُسے غور سے دیکھا۔ وہ کچھ سراسیمہ سی نظر آنے لگی تھی اور پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ بھی بار بار فریدی اور اُس کی ہم رقص کو دیکھے جا رہی ہے۔

"کیا وہ لڑکی تمہیں بھی اچھی لگ رہی ہے......!" حمید نے اُس سے پوچھا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک سوتی رہی ہو۔

"چلو......یہاں سے چلو اچھے دوست......!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں......؟ تمہیں اچانک یہ کیا ہو گیا۔"

"بس میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

"لیکن میں تو یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔"

’’تم ٹھہرو......لیکن مجھے جانے دو۔‘‘ وہ لجاجت سے بولی۔ ’’تم جس وقت بھی چاہو میرے کمرے میں آسکتے ہو۔‘‘

’’میں اکیلا رہ جاؤں گا۔‘‘

’’میں اپنے پیروں میں کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتی۔‘‘

’’چلو تو......اُدھر کنارے کہیں بیٹھ جائیں۔‘‘

’’ہاں......یہ ممکن ہے۔‘‘

وہ موسیقی کا ساتھ دیتے ہوئے ہی اُس بھیڑ سے نکل کر بائیں بازو والی میزوں تک پہنچے تھے۔

’’پتہ نہیں ہم کس کی میز پر بیٹھ رہے ہیں۔‘‘ صفورا بولی۔

’’فکر نہ کرو......اُن کے آتے ہی ہم شرافت سے اٹھ جائیں گے۔‘‘ حمید نے کہا اور اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ صفورا کے چہرے پر اب بھی سراسیمگی کے آثار تھے اور وہ بار بار خوفزدہ نظروں سے رقاصوں کی بھیڑ کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

’’کیا بات ہے......تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو۔‘‘

’’کک......کچھ نہیں......مم......میں کچھ پینا چاہتی ہوں۔‘‘

’’شیری منگواؤں۔‘‘

’’میں بھی تمہاری ہی طرح مسلمان ہوں......قطعی نہیں پیتی......کافی منگواؤ۔‘‘

حمید نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر آرڈر دیا۔ چند لمحے پھر اُسے خاموشی سے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ ’’کیا وہ لڑکی پریشانی کا باعث بنی ہے۔‘‘

اور اُس نے ایک بار پھر اُسے چونکتے دیکھا۔

’’وہ......وہ......رلانے والی ہے......میں نے اُسے پہچان لیا......رلانے والی......خدا کی قسم وہی ہے۔‘‘

’’میں نہیں سمجھا۔ رلانے والی سے کیا مراد ہے تمہاری۔‘‘

’’پہلے مجھے کافی پی لینے دو......میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔‘‘

حمید نے عجیب قسم کا اضطراب محسوس کیا اور اُس کی نظریں رقاصوں کی بھیڑ میں فریدی کو تلاش کرنے لگتیں۔

وہ اُن لوگوں کو شکلوں سے نہیں پہچان سکتا تھا جن کا ذکر ہائی سرکل کے منیجر سے سنا تھا۔ پھر اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یقیناً فریدی کے آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ آخر وہ لڑکی ہے کون؟ اور یہ صفورا جو ابھی حال ہی میں مصر سے آئی ہے اُسے پہچانتی ہے۔

ویٹر نے کافی لانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

کافی کے پہلے ہی گھونٹ نے صفورا کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ حمید نے اُس میں نمایاں تبدیلی محسوس کی۔

’’پچھلے سال میں نے اُسے شکاگو میں دیکھا تھا۔ برلیس مین نامی کیفے میں۔ وہ رات میرے لئے موت اور زندگی کی کشمکش والی رات تھی۔‘‘ صفورا نے رک رک کر کہا اور اپنی پیالی میں دوسری بار کافی انڈیلنے لگی۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

’’میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔‘‘ صفورا کچھ دیر بعد بولی۔

’’یہ بہت اچھی بات ہے......زیادہ ذہین عورتیں مخلص نہیں ہوتیں۔‘‘

’’اور بہت زیادہ ذہین مرد......‘‘ صفورا نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

’’اب مردوں کے بارے میں اپنی زبان سے کیا کہوں......ہاں وہ بھی خاصے سؤر ہوتے ہیں۔ اچھا تو پھر کیا ہوا تھا۔ تم کسی بھیانک رات کا تذکرہ کر رہی تھیں۔‘‘

’’ہاں تو میں برلیس مین کیفے میں تھی۔ وہ لوگ اپنے گاہکوں کو صرف میرے گیت سنوانا چاہتے تھے۔ شکل نہیں دکھانا چاہتے تھے کیونکہ اُن دنوں وہاں نسلی کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ میں ایک جگہ مائیک پر پوشیدگی میں گا رہی تھی کہ کسی طرح ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ میں ایک نیگریس ہوں۔ بس انہوں نے وہاں توڑ پھوڑ مچادی۔ ہوٹل کے مالکوں سے مطالبہ کیا کہ مجھے اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ

مجھے قتل کر دیں گے۔ مالکوں نے جو تھے تو سفید فام ہی لیکن سویڈن کے باشندے تھے ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ میں اس کمرے میں تنہا تھی جہاں سے میں نے گیت گائے تھے۔ اپنی دانست میں تو میں نے دروازہ بند کر لیا تھا لیکن نہ جانے کیسے ایک آدمی کمرے میں گھس آیا۔ میں بُری طرح سہمی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دلاسہ دینے لگا۔ کہنے لگا کہ وہ مجھے بڑی صفائی سے نکال لے جائے گا.....تم کافی نہیں پیو گے کیا.....؟''

''نہیں......میں خواہش نہیں محسوس کر رہا۔'' حمید نے کہا۔ ''اپنی کہانی جاری رکھو۔''

''کہانی...... ہاں...... چلو اوپر چلو...... مجھے نیند آ رہی ہے۔ وحشت ہو رہی ہے اس ماحول میں......اپنے کمرے میں سناؤں گی کہانی۔''

''کسی وجہ سے میں ابھی نہیں اٹھنا چاہتا۔'' حمید نے پھر رقاصوں کی بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''یقین کرو.....بُری طرح نیند آ رہی ہے.....یہ دیکھو میری پلکیں۔ بوجھل ہوئی جا رہی ہیں۔''

دفعتاً حمید نے اس کی آواز میں اجنبیت سی محسوس کی اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں۔''

''یقین کرو......میں یہیں سو جاؤں گی۔''

''اچھا تو پھر تم جاؤ......میں تھوڑی دیر بعد......!''

''شکریہ......تم بہت اچھے ہو......کل میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

وہ اٹھ گئی......حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

ادھوری کہانی سنا کر وہ اُسے الجھن میں ڈال گئی تھی۔

''رلانے والی ہونہہ......!'' وہ منہ ٹیڑھا کر کے بڑبڑایا اور مضطربانہ انداز میں رقاصوں کی بھیڑ کا جائزہ لینے لگا۔ بڑا ست رو نغمہ آرکسٹرا سے منتشر ہو رہا تھا اور رقص کرنے والے ایسے لگ رہے تھے جیسے وہ نیند میں جھولے لے رہے ہوں۔

فریدی پھر نظر آیا......اور حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے دیکھتا رہا۔ یقین ہی

نہیں آتا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ سر جھکائے اپنی ہم رقص کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ آہستہ آہستہ کچھ کہتا جا رہا تھا اور ہم رقص کے ہونٹوں پر نشیلی سی مسکراہٹ تھی۔ کبھی کبھی وہ بھی کچھ کہتی اور آنکھیں بند کر لیتی اور پھر وہی خوابناک سی مسکراہٹ۔

''لعنت ہے......لعنت ہے۔'' حمید زور زور سے اپنی کھوپڑی سہلانے اور سوچنے لگا۔

آہا......بے چارہ کرنل فریدی......بہہ گیا نا آخر اس عمومی سیلاب میں...... ہات تیری کی...... ساری سنگلاخیت دھری رہ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ ہاتھ منہ پر رکھ کر ''پُر پُر'' کی آوازیں نکالے۔ لیکن اس کی بجائے وہ پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ غالباً رقص ختم ہونے والا تھا۔ پتہ نہیں کس کی میز پر اس نے قبضہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا مناسب یہی تھا کہ ویٹر کو کافی کے دام ادا کر کے وہاں سے اٹھ جاتا۔

بہر حال رقص ختم ہوا تو وہ ریکریئشن ہال کے صدر دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

اُس نے فریدی اور اُس کی ہم رقص کو میزوں کی طرف واپس آتے دیکھا۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے برسوں پرانے ساتھی ہوں۔ حمید کے سینے سے ایک گھٹی گھٹی سی آہ نکل گئی۔ پتہ نہیں کیوں وہ اتنا بے چین تھا۔

حمید کے قریب ہی ایک آدمی اور بھی کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ حمید کو ذرا دیر میں اس کا احساس ہوا۔ وہ بڑی تیزی سے رقاصوں کی بھیڑ کی طرف بڑھا تھا۔ پھر حمید نے اُسے ٹھیک انہیں دونوں کے قریب رکتے دیکھا۔

ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے لڑکی کا ہاتھ فریدی کے بازو سے نکالا تھا اور اب اُسے اس طرح صدر دروازے کی طرف لا رہا تھا جیسے جبراً وہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہو۔

دوبارہ فریدی پر نظر گئی......وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ اجنبی اس لڑکی کو کھینچتا ہوا حمید کے قریب ہی سے گزر گیا۔ حمید نے اُسے کنکھیوں سے دیکھتے وقت اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا۔

پھر اُس نے فریدی کو ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا اور خود بھی اسی جانب تیزی سے

قدم بڑھائے۔ فریدی بیٹھ چکا تھا۔ اُس نے حمید پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور مشروبات کی فہرست کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"عجیب اتفاق ہے۔" حمید نے بھی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ "یہاں بھی آپ سے ملاقات ہو گئی۔ کہئے تو یہاں بھی میری موجودگی غیر ضروری ہو جائے۔"

پھر اُس نے فریدی پر اپنے اس جملے کا ردعمل معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں کیا تھا۔ اُس کے چہرے سے تو ایسا لگتا تھا جیسے اُس نے ابھی ابھی ریکریئشن ہال میں قدم رکھا ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہ ایک بڑی خوبصورت لڑکی کا ہم رقص رہا ہوگا اور پھر اُس کے بعد ہی اس کے لئے کسی قسم کی شرمندگی کا بھی سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

ہمیشہ کی طرح سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں...... وہی پرسکون چہرہ...... اور وہی دمکتی ہوئی پرعظمت کشادہ پیشانی۔

اب وہ اس طرح حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

"میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ڈھٹائی کی تربیت کب سے دے رہے ہیں۔" حمید جل کر بول پڑا۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا......؟" فریدی کی آواز بھی معمول کے مطابق تھی۔ حمید نے اس میں موڈ کی خرابی کا شائبہ بھی نہ پایا۔

بالآخر وہ خود کھسیا کر رہ گیا اور جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کھینچ کر لے گیا آپ کھڑے منہ دیکھتے رہے۔"

"اوہ......!" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے کہا۔ "وہ حق بجانب تھا کیونکہ حقیقتاً وہ اُسی کی محبوبہ ہے۔"

"ارے تو یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔" حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔

"کیا بات ہوئی...... ارے بھئی اس کی محبوبہ میری ہم رقص تھی...... اُسے یہ بات پسند نہ آئی کھینچ کر لے گیا۔"

"تو کیا حکیم نے نسخے میں لکھ دیا ہے کہ کسی دوسرے ہی کی محبوبہ آپ کی ہم رقص بنے۔"

"میری اپنی تو کوئی ہے نہیں۔" فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "اور تمہاری ہم رقص اس قابل نہیں تھی۔"

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

فریدی نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور اس کے چلے جانے پر حمید سے بولا۔ "یہ نیگریس کہاں سے ہاتھ لگی ہے۔"

"صرف آپ ہی تقدیر کے اکلوتے نہیں ہیں۔"

"کافی میں شکر زیادہ لینا۔" فریدی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ "منہ کا مزہ خراب معلوم ہوتا ہے۔"

"منہ لگنے کی بات ہے...... یہاں تو شکر بھی منہ نہیں لگتی۔"

"بہت چبا چبا کر بول رہے ہو۔"

"منہ لگائی ڈومنی گائے تال بے تال......!"

"تو کیا اب محاورات اور ضرب المثل ہی میں گفتگو ہوگی۔"

"آپ جیسے عظیم آدمی سے معمولی الفاظ میں کیا گفتگو کی جائے۔"

فریدی اُس کے اس کٹیلے طنز کو بھی نظر انداز کر گیا۔

ویٹر کافی لانے کے معاملے میں بے حد پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ لہٰذا بات آگے نہ بڑھ سکی۔ دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ فریدی سے اُس لڑکی کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھے گا۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد پیٹ میں چوہے کودنے لگے۔ کیونکہ اسے صفورا کا حیرت انگیز رویہ یاد آ گیا تھا۔

"آپ ابھی اُس نیگریس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"غالباً...... پوچھا تھا میں نے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن میں اس کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے آپ سے یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ

آپ کو اُن چھ آدمیوں کا علم ہے یا نہیں جو ہائی سرکل سے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔"

"مجھے علم ہے۔" خشک لہجے میں جواب ملا۔

"کیا وہ اب بھی یہاں موجود ہیں۔"

"تم جانو......!"

"میں نے ان کی شکلیں نہیں دیکھیں...... مجھے اطلاع ملی تھی کہ چھ آدمی آپ دونوں کا تعاقب کررہے ہیں۔"

حمید نے اس بار بھی فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار نہ دیکھے اور نہ اُس نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ حمید کو تعاقب کی اطلاع کس ذریعہ سے ملی تھی۔

لیکن جب حمید نے کالی لڑکی کی کہانی چھیڑی اور داستان کے اس حصے پر پہنچا جہاں "رلانے والی" کا تذکرہ کرکے بدحواسی کا شکار ہوگئی تو اُس نے فریدی کے چہرے پر کسی قدر بے چینی کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہانی کا انجام کم سے کم الفاظ میں سننا چاہتا ہو۔

لیکن کہانی تو پہلے ہی ادھوری رہ گئی تھی۔

"اٹھو......!" وہ حمید کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا "مجھے اس کے کمرے تک لے چلو۔"

"خدا سمجھے آپ سے......اب کیا آپ مجھے کلائیوں سے بھی محروم کردینا چاہتے ہیں۔"

"حمید بکواس نہیں......جلدی کرو۔"

وہ ریکریئیشن ہال سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھے تھے۔ حمید اس کی جلد بازی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اور پھر اُس نے سوچا ممکن ہے سب فریب نظر ہو۔

زور کی چٹکی بھی لی تھی اُس نے اپنے بازو میں "سی" کرکے رہ گیا تھا۔ مطلب یہ کہ جاگ ہی رہا تھا۔

وہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔

دوسری ملاقات

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ لیکن کنجی قفل ہی میں موجود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ نیند کے دباؤ کی بناء پر اُسے قفل کے سوراخ سے نکالنا ہی بھول گئی ہو۔ فریدی نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ لیکن...... کمرہ خالی تھا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ بیڈروم کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا اور یہاں بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔

"کیا غسل خانے میں جاسوئی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ اتنی دیر میں فریدی غسل خانہ بھی کھول چکا تھا۔ لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

اب وہ کمرے کی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا۔

"ممکن ہے کچھ دیر کے لئے باہر گئی ہو۔" حمید نے کہا۔

"کنجی قفل ہی میں نہ چھوڑ جاتی۔" فریدی میز پر جھکا ہوا بولا۔ حمید اکتائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہوں......خواہ مخواہ کام بڑھا گئی ہے۔" اُس نے کچھ دیر بعد فریدی کو کہتے سنا۔ پھر اُس نے قریب آکر کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ انگریزی میں گھسیٹی ہوئی تحریر تھی۔

"ڈیئر ساجد حمید

میں بہت جلدی میں یہاں سے رخصت ہورہی ہوں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں تمہارے شہر سے واقف نہیں ہوں۔ تم سے رخصت ہوکر میں اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر گئی تھی۔ وہاں ایک ٹیکسی

خالی مل گئی۔ میں نے اس کا نمبر نوٹ کرلیا ہے۔ PHC 12342
یہاں واپس آ کر تمہیں لکھ رہی ہوں۔ بات کچھ ایسی ہی ہے کہ میں اس کے بعد یہاں ٹھہر نہیں سکتی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ مجھے کہاں لے جائے گا۔ چونکہ یہاں سے شہر تک ایک طویل سنسان راستہ ہے۔ اس لئے میں نے اُسے یہ نہیں بتایا کہ میں یہاں اجنبی ہوں۔ شہر پہنچ کر ہی اُسے بتاؤں گی کہ مجھے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرنا ہے اور وہ اس سلسلے میں میری مدد کرے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کر کے میری رہائش کے بارے میں معلوم کرسکو۔ جو وقت تمہارے ساتھ گذرا بہترین تھا۔

صفورا۔"

"کافی ذہین معلوم ہوتی ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"ہوگی...... خواہ مخواہ اُسے یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی کہ میں ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کرتا پھر گا۔ لیکن آخر یہاں سے کیوں گئی۔ یہاں کنٹریکٹ پر آئی تھی۔ معاہدے کا کیا ہوگا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "دیکھنا ہے کہ تمہاری یہ حماقت میرے لئے کس حد تک کار ثابت ہوتی ہے۔"

حمید چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ لیکن فریدی اُس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"میری حماقت...... کیا مطلب......!"

"اس سے پہلے کبھی میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدصورت لڑکی نہیں دیکھی۔ یقیناً میرا مضحکہ اڑانا چاہتے تھے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ منتظر تھا کہ فریدی کچھ اور کہے گا۔ لیکن وہ پھر میز کی طرف متوجہ تھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر

"نہیں۔"

فون کی گھنٹی بجتی رہی اور وہ اس کو اسی حال میں چھوڑ کر کمرے سے باہر آ گئے۔ راہداری سنسان نہیں تھی۔ مختلف جگہوں پر کچھ لوگ کھڑے نظر آئے۔ ان میں سے کوئی سگریٹ سلگا رہا تھا کوئی جھکا ہوا جوتے کے اندر پیر کھجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی دیوار سے لگی ہوئی کسی پینٹنگ کا جائزہ لیتا ہوا نظر آیا اور حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

"کیا یہی لوگ ہیں۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہوں......!" فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور لفٹ کی طرف جانے کے بجائے زینوں کی جانب چل پڑا۔

زینے بہت اطمینان سے طے کئے گئے۔ لیکن اُن کے پیچھے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن جیسے ہی وہ ڈائننگ ہال میں پہنچے حمید نے ان لوگوں کو پہچان لیا جو کہ کچھ دیر پہلے اوپر ملے تھے۔ غالباً وہ لفٹ کے ذریعہ سے نیچے پہنچ گئے تھے۔

"اب میں فکر کے مارے پھٹ جاؤں گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"تم غالباً آج موٹر سائیکل لے کر نکلے تھے۔" فریدی بولا۔

"شامت تھی کہ نکلا ہی تھا۔"

"اُسے یہیں چھوڑو...... میرے ساتھ چلو۔"

"کہیں میں آپ کے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

"نہیں...... آج شام سے بے حد رومانٹک ہو رہا ہے۔"

"ابھی کیڑے جھاڑ دوں گا۔"

وہ عمارت سے نکل کر پارکنگ شیڈ تک آئے۔ فریدی نے حمید کیلئے لنکن کا دروازہ کھولا۔

"تشریف رکھئے۔"

"آپ نے مجھے پہچان لیا ہے نا...... میں حمید ہوں...... ساجد حمید۔"

"چل بیٹھ......!" فریدی نے اُسے دروازے میں دھکا دیا۔

گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر آ گئی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی دوسری گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمکتے ہوئے نظر آئے۔

''غالباً وہی ہیں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''جہنم میں جائیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ وہ میرے لئے قطعی بے ضرر ہیں۔ اسلئے ہمیں ان کی قطعی فکر نہ کرنی چاہئے۔''

''اپنے آدمی......!''

''نہیں......!''

''تو پھر......؟''

''کان نہ کھاؤ......!''

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''گھر......!'' فریدی نے کہا اور حمید نے سوچا کہ اس وقت اُسے واضح قسم کی گفتگو پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔

شہر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا فریدی یونہی خواہ مخواہ راستے کو طول دے رہا ہے۔ کبھی ایک گلی سے گذر کر دوسری سڑک پر آ نکلتا اور کبھی دوسری سے تیسری پر......!

''کیا چکر ہے......؟'' وہ خواب آلود آواز میں بڑبڑایا۔

''انہیں باور تو کرا دوں کہ میں اس تعاقب سے بے خبر نہیں ہوں۔''

''مجھے بھی کچھ باور کرا دیجئے۔''

''تم کیا باور کرانا چاہتے ہو۔''

''یہی کہ میں وہیل مچھلی کا انڈا نہیں ہوں۔''

''کیا بات ہوئی......؟''

''عقل کی باتوں ہی نے مجھے سر کے بل کھڑا کر رکھا ہے۔ بدھو ہوتا تو شادی کرتا اور بچے جنتا......اوہ......کیا بک رہا ہوں۔''

''نیند آ رہی ہے ننھے بچے کو۔''

''آپ مجھے اتنا احمق کیوں سمجھتے ہ''

''احمق تو ہو......لیکن اندازے کی غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی ہے۔''

''میں جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''بس اب گھر ہی چلیں گے۔''

حمید پھر اونگھنے لگا۔

دوبارہ اُسی وقت چونکا تھا جب گاڑی رکی تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ گاڑی اپنی ہی کمپاؤنڈ میں رکی تھی۔

''اتریئے......نواب صاحب۔'' فریدی کی آواز کان کے قریب ہی سنائی دی۔

''شکریہ......!'' وہ دروازہ کھول کر اترا اور فریدی کا انتظار کئے بغیر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ پتہ نہیں کیوں گاڑی پورچ تک نہیں لائی گئی تھی۔

اپنے سونے کے کمرے میں داخل ہو کر اُس نے دروازہ بولٹ کیا اور کپڑوں جوتوں سمیت مسہری پر ڈھیر ہو گیا اور پھر ذرا ہی سی دیر بعد وہ خراٹے لے رہا تھا۔

پتہ نہیں کیسے کیسے اوٹ پٹانگ خواب دیکھتا رہا۔ ایک ایسی لڑکی دیکھی جس کا چہرہ آدھا سیاہ تھا اور آدھا سفید۔ چہرہ اُس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ چہرے کے دونوں روپ جانے پہچانے سے تھے۔ پھر ہونٹوں میں دفعتاً سوئی سی چبھ کر رہ گئی۔ اُس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ البتہ اُس چہرے سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے گھنٹی بج رہی ہو۔ تیز قسم کی گھنٹی کان کے پردے پھٹنے سے محسوس ہونے لگے اور آنکھ کھل گئی۔ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ لیکن گھنٹی تو اب بھی بجے جا رہی تھی۔

"اُو...... حرام خور......!" وہ مکا تان کر فون کی طرف جھپٹا۔

"ہالو......!" ماؤتھ پیس میں دہاڑا تھا۔

"صبح کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اچھا تو پھر......!" وہ پہلے ہی کے سے انداز میں دہاڑا۔

"کمرے سے باہر آؤ۔" تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور اب اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ گھنٹی کی تیز آواز سے جاگنے پر قابو پانے میں کچھ دیر لگی اور اُس نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس پر نظر ڈالی۔ واقعی ساڑھے آٹھ بج رہے تھے لیکن سویا بھی تو تھا تین بجے۔

طوعاً و کرہاً کمرے سے نکلا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ناشتے کی میز ہی پر ہوگا۔ اُسے اخبار بینی میں مصروف دیکھ کر کھنکارا اور اُس کے متوجہ ہونے پر بولا۔ "باتھ روم تک جانے کی اجازت ہے یا پھر یہیں......!"

فریدی نے پیشانی پر بل ڈالے اور پھر اخبار پر نظریں جمادیں۔

پھر پندرہ یا بیس منٹ بعد حمید دوبارہ ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ لیکن فریدی اب وہاں نہیں تھا۔ البتہ وہ اس کے لئے کچھ چھوڑ گیا تھا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا...... جس کا کچھ حصہ کافی پا... کے نیچے دبا ہوا تھا۔

تحریر تھی۔

"فرزند ارجمند...... اگر تم ہوٹل مے پول کے کمرہ نمبر ایک سو تراسی تک پہنچ سکو تو مراد کو شگفتہ پاؤ گے۔ ابھی اور اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔"

"ہوں......!" وہ نتھنے پھلا کر بولا۔ "تو پتہ لگا لیا کہ اس نے کس ہوٹل میں قیام کیا ہے؟"

پھر ناشتے سے فارغ ہو کر اُس نے پائپ سلگاتے ہوئے سوچا۔ آخر پچھلی رات وہ... طور پر اتنا بے مایہ ہو کر کیوں رہ گیا تھا۔ فریدی کو ایک لڑکی کے ساتھ رقص کرتے دیکھ کر یہ... سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ اپنی ڈگر سے ہٹ گیا ہے۔ کون جانے کوئی بڑا کھیل ہو۔ اس سے پہلے...

کئی بار وہ اُسے اعلیٰ درجہ کی رومانی اداکاری کرتے دیکھ چکا تھا...... اگر وہ اتنا ہی کامیاب اداکار ہے تو...... نہیں وہ اداکاری نہیں تھی۔ حمید کسی طرح بھی اس سلسلے میں اپنے ذہن کو مطمئن نہ کر سکا۔ تھی تو کوئی چیز ایسی جس کی بناء پر وہ اُسے خالص اداکاری تسلیم کر لینے سے ہچکچا رہا تھا۔

"ابے تو تجھے کیا......؟" بالآخر اس نے جھلا کر اپنے سر پر دو ہتھڑ رسید کیا اور خواب گاہ میں آ کر لباس تبدیل کرنے لگا۔

تو وہ مے پول ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ شائد فریدی نے پچھلی رات ہی سے اُس کی تلاش شروع کرا دی ہوگی۔ ٹیکسی کا نمبر معلوم ہو جانے کے بعد یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔

آدھے گھنٹے کے اندر حمید مے پول جا پہنچا۔ یقیناً صفورا کا وجود فریدی کے لئے اہمیت اختیار کر چکا تھا ورنہ وہ اس کی طرف دھیان ہی کیوں دیتا اور اس اہمیت کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ اس کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی تھی...... تو پھر وہ ہم رقص...... جہنم میں جائے۔

حمید نے گردن اکڑا کر سر کو جھٹکا دیا۔ کمرہ نمبر ایک سو تراسی اندر سے مقفل تھا۔ اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کون ہے؟" آواز صفورا ہی کی تھی۔

"رات کا ساتھی۔" حمید دروازہ سے منہ لگا کر بولا۔

"حمید...... ساجد حمید......!" مزید وضاحت طلب کی گئی۔

"ہاں...... وہی...... دروازہ کھولو......!"

دروازہ کھلا۔ وہ سامنے ہی کھڑی نظر آئی۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور چہرے کی رنگت میں پہلے سے بھی زیادہ گاڑھا پن آ گیا تھا۔ غالباً یہ وفور مسرت کا اظہار تھا۔

"خدا کی قسم......!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم ایک مخلص دوست ہو۔ آخر کار مجھے ڈھونڈھ ہی نکالا۔ ورنہ کون ایسی زحمتیں مول لیتا ہے۔"

"اچھا...... پیچھے تو ہٹو۔ مجھے اندر آنے دو۔"

"آؤ...... آؤ" اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

دروازہ بند کر کے وہ حمید کی طرف مڑی۔

"تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں کوئی نہیں...... ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے بہتیری زحمتوں سے بچالیا تھا۔ واقعی تم لوگ بہت اچھے ہو۔ حالانکہ وہ میری زبان نہیں سمجھ سکتا تھا پھر بھی اتنا ذہین تو تھا ہی کہ مجھے یہاں تک لے آیا۔"

"آخر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم کہتیں تو میں ہی تمہیں کسی ایسی جگہ پہنچا دیتا، جو ہماری دانست میں محفوظ ہوتی۔"

"اوہ تو تم سمجھ گئے ہو کہ میں نے کسی خوف کے تحت ایسا کیا تھا۔"

"تمہارا خط ملنے کے بعد اس کے علاوہ کیا سوچتا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی نیاگرا ہی میں مقیم ہے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"تو بیٹھو نا...... کھڑے کیوں ہو۔ یہاں کافی بہت اچھی ملتی ہے۔ شائد خود ہی [illegible] کراتے ہیں۔"

"ہوں...... اُوں......!" حمید اس طرح کرسی میں ڈھیر ہو گیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔

وہ اُسے چند لمحے پرتشویش نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "کیوں طبیعت کیسی ہے تمہاری۔ آنکھیں بند ہوئی جارہی ہیں۔"

حقیقتاً حمید نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ کیونکہ وہ اُسے دیکھے بغیر اُسکی آواز سننا چاہتا تھا۔

"ہاں...... آں...... درد ہے سر میں...... اتنے بڑے شہر میں کسی ٹیکسی ڈرائیور کو ڈھونڈ نکالنا کوئی آسان کام تو نہیں۔"

"اوہ...... تم نے میرے لئے بڑی تکلیف اٹھائی۔ اسپرین لینا پسند کرو گے۔"

"شکریہ...... تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے بدستور آنکھیں بند رکھیں۔ آواز ہی تو سننا چاہتا تھا!

شکل دیکھ کر کیا کرتا۔ اس لڑکی سے مل بیٹھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ فریدی کو چڑایا جائے۔ اس کے رومان کا مضحکہ اڑایا جائے۔ حالانکہ پہلے ہی اُسے فریدی کے بارے میں سنجیدگی سے کوئی فیصلہ نہ کرلینا چاہئے تھا۔ آخر اب اچانک ذہن کو جھٹکا لگا ہی۔

اُسے اس اتفاق پر ہنسی بھی آرہی تھی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ جس لڑکی سے وہ خود ٹکرایا تھا فریدی کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی ہی ہوتی۔

اور اب یہ نامعقول نیگریس جو محض تفریح کی خاطر دریافت کی گئی تھی ارتھمیٹک کے کسی اکتا دینے والے مسئلے کی طرح حلق میں اٹک کر رہ جائے گی۔ واہ ری قسمت...... اُسے ایک بار پھر اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ گویا اُس وقت بچوں کا سا ذہن ہو گیا تھا۔ جب اُس نے فریدی کی بے راہ روی کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا کہ خواہ مخواہ ایک عیاش آدمی کی حیثیت سے اپنی تشہیر کرتا پھرتا۔

"کیوں...... کیسی طبیعت ہے۔" دفعتاً صفورا بولی اور حمید اچھل پڑا۔

"کیا تم بھی ڈر گئے ہو......!" وہ ہنس کر بولی۔

"مم...... میں نہیں تو...... بھلا میں کیوں ڈروں گا۔"

"میں تو اب یہ سوچ رہی ہوں کہ چپ چاپ اس شہر سے رخصت ہو جاؤں۔"

"آخر کیوں؟ وہ کون تھی؟ تم اس سے کیوں خائف ہو۔"

"میں پچھلی رات تمہیں اس کے بارے میں بتا رہی تھی کہ یک بیک میرے ذہن پر خوف مسلط ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ جتنی جلد ممکن ہو۔"

"تو کیا وہ بھی تمہیں جانتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اچھی طرح...... اس نے مجھے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ میں ساری زندگی انہیں یاد کر کے لرزتی رہوں گی۔ شکاگو میں کون ہے جو "رلانے والی" کو نہ جانتا ہو۔ اُس زمانے میں اس کا گروہ کئی ریاستوں پر چھایا ہوا تھا۔"

"گروہ......؟"

''ہاں......وہ ایک بہت بڑے گروہ کی سربراہ تھی۔''

''گروہ کس قسم کا تھا......!''

''ویسا ہی جیسے وہاں عام طور پر ہوتے ہیں۔ قمار خانے چلانے والے، منشیات کی ناجائز تجارت کرنے والے، اور اس عورت نے تو شائد قحبہ خانے بھی قائم کر رکھے تھے۔ بڑے بڑے غنڈے کانپتے تھے اس کے نام سے۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے دور اقتدار میں شکاگو کے دوسرے چھوٹے موٹے گروہ ٹوٹ کر اسی کے گروہ میں ضم ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس کی اطاعت قبول نہیں کی تھی انہیں نہ صرف شکاگو سے بلکہ ان ریاستوں سے بھی منہ موڑ لینا پڑا تھا جہاں جہاں اس کا اثر تھا۔''

''تم کیسے پھنس گئی تھیں......؟''

''وہی تو بتا رہی تھی پچھلی رات کو......وہ بوڑھا آدمی مجھے کسی طرح بریس بین کیفے سے نکال لے گیا تھا۔ دو دن تک اس نے مجھے ادھر اُدھر چھپائے رکھا پھر میں اسی ''رلانے والی'' کے سامنے پیش کر دی گئی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے اس رات وہ بھی تھی کیفے میں......!''

''نام کیا ہے اس کا......!''

''یہ تو مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔ وہ اُسے رلانے والی ہی کہتے تھے۔''

''اچھا تو پھر تم اس کے سامنے پیش کر دی گئیں۔''

''اس نے مجھ پر نفرت انگیز نظریں ڈالیں تھیں اور کہا تھا کہ میں اُسے کچھ گا کر سناؤں۔ یقین کرو......وہ رات بھر وہیں بیٹھی شراب پیتی رہی تھی اور میں گاتی رہی تھی۔ اتنی اذیت پسند عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ صبح ہوتے ہوتے اُس نے مجھ سے کہا کہ اپنے سارے کپڑے اتار دوں۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئی۔ لیکن اُس کے آدمیوں نے اُس کے حکم کی تعمیل کی اور پھر جب میں سکڑی سہمی خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اس نے مجھے چمڑے کے چابک سے مارنا شروع کیا۔ میرا پورا جسم لہولہان ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر تین دن تک میری تیمار داری ہوتی رہی تھی۔ ابھی پچھلے ہی زخم نہیں مندمل ہوئے تھے کہ

چوتھے دن پھر اس نے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیا۔ بس اب کیا بتاؤں۔ مجھے تو اپنی زندگی کی اُمید نہیں رہی تھی۔ جب وہ مجھے چابک سے پیٹتی تھی تو اُسکی آنکھوں میں کچھ ایسی ہی طمانیت نظر آتی تھی جیسے جھلسا دینے والی گرمی میں اُس نے کسی ٹھنڈے مشروب کا پہلا گھونٹ لیا ہو۔''

''پھر تم اس کے پنجے سے کس طرح آزاد ہوئی تھیں۔''

''یہ......یہ تو......میں کبھی نہ بتاؤں گی۔ کسی کو بھی نہیں۔'' اُس نے کسی قدر رک رک کر کہا اور حمید نے اس کے چہرے پر مجوبیت کے آثار دیکھے۔ لہٰذا اُس نے اسی خاص نکتے پر مزید گفتگو مناسب نہ سمجھی۔

''کیا اُس زمانے میں بھی تمہاری ایسی ہی شہرت تھی۔''

''شہرت تو نہیں تھی۔ لیکن ایک بار بھی جو میرے گیت سن لیتا تھا پسند کرنے لگتا تھا اور اس وقت لوگ مجھے رینی کے نام سے جانتے تھے۔''

''تو یہ نام......میرا یہ مطلب ہے صفورا......تم نے خود اختیار کیا ہے۔''

''ہاں......یہ میرا پروفیشنل نام ہے ورنہ گھر والے تو اب بھی رینی ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔''

''تب تو پھر پروگرام میں تمہارا نام دیکھ کر اس عورت نے تمہاری طرف دھیان ہی نہ دیا ہوگا۔''

''صورت تو یاد ہوگی اُسے۔ کیونکہ اس نے مجھے بڑی اذیتیں دی ہیں۔ میں سوچتی ہوں آخر یہاں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔''

''ہوگا کچھ......ہمیں اس سے کیا سروکار......میں تو دراصل اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں......تمہیں شہر دکھانا ہے۔''

''کیا یہ ممکن ہے......!'' اُس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔''

''وہ کس طرح......؟''

''تم تو اس سے بُری طرح خائف معلوم ہوتی ہو۔ جیسے وہ کوئی خبیث روح ہو۔''

"یقین جانو میں یہی سمجھتی ہوں۔"

"ارے بس......!" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

"ویسے تم بہت اچھے ہو۔ یقیناً تمہیں موسیقی سے سچا لگاؤ ہے۔ ورنہ تم کیوں میرے لئے اتنی تکلیف برداشت کرتے۔"

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ یہ وہی عورت ہے۔"

"جس طرح کہ میں اپنے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ میں ریٹی ہوا صفورا ہوں۔"

"ہوں......!" حمید نے پُر تفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا، بولا۔ "فرض کرو......وہ تمہیں دیکھ پائے اور پہچان لے تو کیا ہوگا۔"

"وہ......وہ مجھے جان سے مار ڈالے گی جیسا کہ دوسروں کے ساتھ کرتی تھی۔"

"اُوہو......تو کیا دوسروں کے ساتھ بھی۔"

"وہ سچ مچ کوئی خبیث روح ہے۔ تم یقین نہ کرو گے۔ کیونکہ تم اُس کا معصوم چہرہ دیکھ چکے ہو۔ اُس کے حسن سے متاثر بھی ہوئے ہو۔ کیونکہ تم نے ہی میری توجہ اُس کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ارے وہ پتہ نہیں کیا ہے۔ جس آدمی کے ذریعہ مجھے اُس کے پنجے سے رہائی ملی تھی پھر وہ بھی وہاں نہیں رکا تھا۔ میکسیکو بھاگ گیا تھا۔ وہ اس کی بوٹیاں اڑا دیتی۔ میں ایک خوبصورت نوجوان کا انجام اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔ اس نے اُس کے کپڑے اتروا دیئے تھے اور چابک لے کر پل پڑی تھی۔ اس کے تین گرگے ریوالور تانے کھڑے تھے۔ نوجوان پٹ رہا تھا۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے جب تک ہوش میں رہا چابک پڑتے رہے تھے۔ پھر تیسرے دن میں نے سنا کہ وہ مرگیا۔ مجھے رہائی دلانے والے نے بتایا تھا کہ وہ درجنوں لڑکیوں اور نوجوانوں کو اسی طرح ختم کر چکی ہے۔"

"آخر اس کا مقصد کیا تھا۔"

"اذیت پسند طبیعت کی تسکین۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مجھے تو

کے ایک ماہر نفسیات نے اس کے متعلق بہت کچھ بتایا تھا۔"

"اچھا فرض کرو وہ تمہیں پہچان بھی لیتی ہے تو...... کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ وہ یہاں بھی تمہارے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر سکے گی۔"

"سوال تو یہ ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔"

"نوادرات کی تلاش میں آئی ہوگی۔"

"کیا اپنی اصلی حیثیت میں...... کیا تمہاری حکومت ایسے بدنام افراد کو ملک میں داخلے کی اجازت دے دیتی ہے۔ وہ اپنے صحیح نام اور پتہ کے ساتھ تو یہاں ہرگز نہ آئی ہوگی۔ تب پھر وہ کس طرح پسند کرے گی کہ یہاں کوئی اس کی اصلیت جاننے والا بھی موجود ہو۔"

حمید نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "میری دانست میں تمہاری احتیاط حق بجانب ہوگی۔ اب میں دیکھوں گا کہ تمہیں اس شہر کی سیر کس طرح کرائی جائے۔ لیکن تم اُس کنٹریکٹ کے بارے میں کیا کرو گی۔"

"میں نے رات ہی نیاگرہ کے منیجر کو فون کر دیا تھا کہ میں شہر میں ہی ہوں۔ صبح فون کیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے شائد میں شام کو وہاں نہ پہنچ سکوں۔"

"اگر وہ تمہاری عیادت کو دوڑا آیا تو......!"

"دردِ سر کو آج تک کون دیکھ سکا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں جلد ہی بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ......تو کیا جا رہے ہو۔"

"ہاں......آں...... مجھے کچھ کرنا ہے اس سلسلے میں۔"

"کیا کرو گے۔"

"میرا ایک دوست پولیس آفیسر ہے۔ اُس سے مشورہ کروں گا۔ لیکن میں یہ بھی تو نہیں جانتا کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ نیاگرہ میں تو نہیں ہوسکتا کیونکہ تم وہاں پروگرام میں حصہ لیتی

رہی ہو۔ کبھی نہ کبھی تو اس نے تمہیں دیکھا ہی ہوتا اور تم سکون سے نہ رہ سکتیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اُسے کہاں تلاش کرو گے۔"

"فکر نہ کرو......اپنے کمرے ہی تک محدود رہنا۔" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا

تھوڑی دیر بعد وہ سڑک پر تھا۔

بیس منٹ بعد دفتر میں فریدی کو رپورٹ دے رہا تھا۔

"وہم ہے اس کا۔" فریدی اختتام پر مسکرا کر بولا اور پھر سامنے پڑے ہوئے فائل
طرف متوجہ ہو گیا۔

"جی......یعنی کہ......!"

"میں نے بے شمار ہم شکل دیکھے ہیں۔"

"اللہ رحم کرے آپ کے حال پر......!" حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہو
ٹھنڈی سانس لی اور تیزی سے مڑ کر کمرے سے نکل بھاگا۔

دھماکہ

وہ سمجھا تھا شائد فریدی اُسے صفورا کے بارے میں کچھ ہدایات دے گا۔ لیکن یہاں
بات کرنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ پھر آخر اُس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ڈھونڈ نکالنے کی زحمت کیو
گوارا کر لی تھی؟

اگر صفورا جھوٹی تھی تو اس جھوٹ کی ضرورت پر بھی غور کرنا لازم تھا۔ آخر اُس نے ا
کے سلسلے میں اتنا بڑا جھوٹ......نہیں یہ ناممکن ہے۔ یہ جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہی بات ہ
ہے کہ پرانی عادت کے مطابق حضرت اُسے اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اچھی با
ہے جناب آپ بھی دیکھ ہی لیں گے۔ حمید کے ذہن میں وہی قدیم چھپکلی کلبلائی تھی، جو

اُسے پریشانیوں ہی میں مبتلا کرتی رہی تھی۔

وہ اُسی دن پھر صفورا سے ملا۔

"ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔" اُس نے اُس سے کہا۔

"میں نہیں سمجھی۔"

"ہم معلوم کریں گے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔"

"ہم سے کیا مراد ہے تمہاری......کیا میں بھی۔"

"بالکل......بالکل......لیکن وہ ایک فٹ کے فاصلے سے تمہیں نہ پہچان سکے گی۔"

"بھلا وہ کیسے......؟"

"میک اپ......!"

"ایسا میک اپ......" صفورا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں......ہاں......ہم دونوں ہی کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔"

"کیا تمہیں اس میں دخل ہے۔"

"ماہر ہوں......ماہر......!" حمید اکڑ کر بولا۔ "دراصل میں اسٹیج ایکٹر ہوں۔ اکثر فلموں
میں بھی میں نے اپنا میک اپ دیا ہے۔"

"تب تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ میں ایک غیر ملکی ہوں۔
اگر پولیس کو علم ہو گیا کہ میک اپ میں ہوں تو مجھ سے ضرور جواب طلب کر لیا جائے گا۔"

"میرا وہ دوست......پولیس آفیسر پھر کب کام آئے گا۔ تم مطمئن رہو۔ ڈرو نہیں۔ میں اسی
کے مشورے سے ایسا کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اُسے بتایا تھا۔ اُسے بھی تشویش ہوگئی ہے۔"

"تب تو پھر ٹھیک ہے۔ اس طرح گویا میں یہاں کی پولیس کی مدد کروں گی۔"

"بالکل......بالکل......!"

"پتہ نہیں کیسی شکل بناؤ میری۔"

"بناؤں گا نہیں......بدلوں گا۔"

"رنگت بھی بدل دو گے۔"

"میرا باپ بھی نہیں بدل سکتا۔"

"پھر......؟"

"ارے صرف خدوخال بدلوں گا۔ بس تم اُس حیثیت سے پہچانی نہ جاسکو گی جس میں اُس نے تمہیں دیکھا تھا۔"

"تم اپنی شکل کیوں بدلو گے......؟"

"ارے تم اتنے بہت سے سوالات کیوں کررہی ہو۔"

"میں سمجھ گئی۔" اُس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔ "تم ایک کالی لڑکی کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتے۔"

"میں تو کلوٹیوں کے ساتھ دفن ہونا بھی پسند کروں گا۔"

"تو غصہ کیوں آرہا ہے......؟"

"ارے باپ رے۔" حمید اردو میں بڑبڑایا۔ "میرے سر پر سوار ہوجانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"دیکھو......دیکھو......اپنی زبان میں مجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہو۔ تمہیں یقیناً غصہ آرہا ہے۔"

"اب آجائے گا ورنہ خاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔" حمید نے انگریزی میں کہا۔

"اچھا تو سوچو......!" وہ بے بسی سے بولی اور حمید یہ سوچنے لگا کہ وہ سچ مچ بالکل اُلو کا پٹھا ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ اس حماقت میں پڑا جائے۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔" صفورا بوکھلا کر اٹھتی ہوئی بولی۔

کسی نے باہر سے کچھ کہا اور وہ حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ "نیا گرہ کا اسسٹنٹ منیجر معلوم ہوتا ہے۔"

حمید بھی اٹھا اور دیوار کی طرف مڑ گیا۔ صفورا نے دروازہ کھول کر آنے والے کو اندر آنے

کے لئے کہا۔ پھر جب حمید اُن دونوں کی طرف مڑا تو صفورا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی رہ گئیں۔ کیونکہ اتنی دیر میں حمید نے اپنا وہ ریڈی میڈ میک اپ استعمال کرڈالا تھا جو ہر وقت ہی جیب میں پڑا رہتا تھا۔ یعنی وہ اسپرنگ جو ناک کے نتھنوں میں فوری طور پر فٹ کئے جاسکتے تھے۔ ناک کی نوک اوپری ہونٹ سمیت اوپر اٹھتی چلی گئی تھی اور سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے تھے۔

نیا گرہ کا اسسٹنٹ منیجر اُسے پر تشویش نظروں سے دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔ صفورا نے شائد اُس کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کو پڑھ لیا تھا۔ اس لئے جلدی سے بولی۔

"یہ مسٹر احمد ہیں......میرے پن فرینڈ......تین سال سے انہیں جانتی ہوں لیکن ملاقات کل ہی ہوئی تھی۔ خط وکتابت کے ذریعے غیر ملکیوں کو دوست بنانا میری ہابی ہے۔"

"دلچسپ ہابی ہے۔ میں سعید ہوں۔" اس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید مصافحہ کرتے وقت آہستہ سے کچھ بڑبڑایا جسے وہ دونوں سن نہ سکے اور پھر چند رسمی باتوں کے بعد کاروباری گفتگو شروع ہوگئی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔ صفورا منیجر سے کہہ رہی تھی وہ کم از کم تین دن قطعی آرام کرنا چاہتی ہے۔ اسسٹنٹ منیجر کہہ رہا تھا کہ وہ صرف خیریت دریافت کرنے آیا ہے۔ اس کی خواہش منیجر تک پہنچا دے گا اور منیجر ہی اُس کا فیصلہ کرسکے گا کہ وہ تین دن آرام کرسکتی ہے یا نہیں۔"

دس منٹ بعد وہ اٹھ کر چلا گیا اور صفورا پھر پہلے ہی کے سے متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم تو حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔ بھلا اتنی جلدی یہ کیسے ہوا۔"

"کہاں......؟ کیا ہوا......؟" حمید نے کہا اور ناک سہلانے کے بہانے ہاتھ اوپر لے گیا اور پھر ہاتھ ہٹاتے ہی چہرے سے تو سب معاملہ ٹھیک ٹھاک ہی تھا۔

"ارے......!" وہ اچھل پڑی۔

"کہیں مجھے بھی کوئی خبیث روح نہ سمجھ لینا۔"

"خدا کی قسم مجھے حیرت ہے۔ بھلا اس طرح اوپر کا ہونٹ ناک سمیت کیسے اٹھ سکتا ہے۔"

"تم کوشش مت کرنا۔ تمہارا ہونٹ پہلے ہی کافی اٹھا ہوا ہے۔ ناک غائب ہو جائے گی۔"

"نہیں مجھے بتاؤ۔ یہ تم نے کیسے کرلیا تھا۔"

"جب تم یہاں سے واپس جانے لگو گی سب کچھ بتادوں گا۔"

"میں الجھن میں رہوں گی۔"

"اس طرح کم از کم مجھے یاد تو رکھو گی۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یاد رکھوں۔"

"ہاں......!" حمید پھر جھلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس قسم کے رومانٹک جملے اس کی زبان سے کیوں نکل رہے ہیں۔

"آخر تمہارا مزاج کس قسم کا ہے۔ میں سمجھ ہی نہ سکی ابھی تک۔"

"نہ سمجھنا ہی بہتر ہے۔ پچھلے سال ایک لڑکی نے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لہٰذا آج کل کچھ دیر تک تو بھونکتی رہتی ہے اور پھر کاٹنے بھی دوڑتی ہے۔"

وہ اس طرح منہ کھولے اُسے دیکھتی رہی جیسے بات سمجھ ہی میں نہ آئی ہو۔

اس دن حمید پھر فریدی سے نہیں ملا تھا۔ شام ہونے کا منتظر رہا۔ میک اپ میں صفورا کی شکل بالکل ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

شام کو اس نے بحیثیت کیپٹن حمید ہائی سرکل کے منیجر کو فون کیا۔

"دیکھو دوست! میرا ایک معزز فلپینی دوست ایک افریقی لڑکی کے ساتھ آئے گا۔ اتنا ہی انٹروڈکشن کافی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم کسی فلپینی کو پہچان نہ سکنے کا عذر کرسکو لیکن کسی سیاہ فام نیگریس کو تو لاکھوں میں شناخت کرسکو گے۔"

"کیا مجھے ان کے ساتھ کسی خاص قسم کا برتاؤ کرنا ہے۔" منیجر نے پوچھا۔

"نہیں...... بس تم ان سے یہ نہ پوچھو گے کہ وہ کس باقاعدہ ممبر کے ساتھ آئے ہیں۔"

"کیا یہ سرکاری حکم ہے۔"

"قطعی...... اور ان کی ٹوہ میں بھی نہ رہنا سمجھے۔"

"بہت بہتر جناب...... کیا آپ تشریف نہیں لا رہے۔"

"ہرگز نہیں...... کیونکہ میری تشریف آوری تمہارے لئے مصیبت ہی بن جاتی ہے۔"

"جیسی جناب کی مرضی...... اور کچھ......!"

"بس شکریہ۔"

اس کے بعد اُس نے خود پر کسی فلپینی کا میک اپ کیا تھا۔ پلاسٹک میک اپ جس سے آنکھوں کے نیچے کا حصہ بالکل سپاٹ ہوگیا تھا۔

"واقعی...... تم ماہر ہو۔" صفورا نے کہا۔

"اب تم روزی ہو اور میں مسٹر سانگ فی...... میرا نام نہ بھولنا۔ سانگ فی اور تم روزی...... ہم انگلش ہی میں گفتگو کریں گے۔ بس اب تیار ہو جاؤ۔"

پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ہائی سرکل کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ پچھلی شام بیزاری اور اداسی لے کر آئی تھی لیکن اس وقت ذہن کی کیا کیفیت ہونی چاہئے۔ کیا اب وہ کتوں کی طرح بھونکنا شروع کردے۔ تنہائی اگر اسی طرح رفع ہوتی ہے تو ایسی زندگی کو سات سلام...... بہرحال یہ بلا خود ہی اپنے گلے ڈالی تھی لہٰذا بھگتان تو ہوگا ہی۔

ہائی سرکل کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے منیجر سے ملاقات ہوئی۔

"جناب عالی...... ادھر تشریف لائیے...... اس میز پر...... اگر آپ عزت مآب کیپٹن حمید کے مہمان ہیں۔"

"ہاں...... ہاں......!" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر انہوں نے اس کی بتائی ہوئی میز پر قبضہ کرلیا تھا۔

"یہ کس کیپٹن حمید کا حوالہ دے رہا تھا۔ کون تھا......؟"

"وہ اس کلب کا منیجر ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ "اُس نے اسی پولیس آفیسر کا حوالہ دیا

تھا جس کی ہم مدد کر رہے تھے اور کیا پوچھنا ہے۔ سب کچھ ایک ساتھ پوچھ لو۔"

"تم خفا کیوں ہو رہے ہو۔"

"کچھ نہیں......سب ٹھیک ہے۔"

"تم نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔"

"دل کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" حمید بے بسی سے کراہا۔

"پتہ نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا کہہ رہے ہو؟"

"بس تم بولے جاؤ۔ مجھ سے جواب نہ طلب کرو۔" حمید نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا اور سوچا اے پاک پروردگار جو عذاب خود ہی اپنے اوپر نازل کیا جائے اس کے لئے کس سے فریاد کی جائے اور کس منہ سے کی جائے۔

"میں ملک شیک پیئوں گی۔"

"دہی کی لسی منگواؤں۔" حمید نے جل کر پوچھا۔

"یہ کیا چیز ہے۔"

"یہاں کا خاص مشروب ہے جسے پی کر آدمی خود کو چغد محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"شگد......کیا چیز ہے۔"

"شگد نہیں......چغد......!" حمید نے جھلا کر تصحیح کی۔

"چلو وہی سہی......کیا چیز ہے۔"

"میں چغد ہوں۔"

"ہوگا......مجھے کیا......تم پتہ نہیں کیوں غصے میں بھر گئے ہو۔"

حمید نے اپنا دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر اس بے چاری کا قصور......خواہ مخواہ جھلاہٹ کا مظاہرہ کیوں کیا جائے۔ وہ خود ہی تو اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ نہیں آئی تھی اُس کے پاس۔

اس نے ویٹر کو بلا کر صرف ایک گلاس ملک شیک کے لئے کہا۔

"کیا تم نہیں پیئو گے۔"

"جب تک مجبوراً پینا پڑا تھا پیتا رہا تھا اس کے بعد سے تو پھر اس سے شوق نہیں کیا۔"

"اچھی چیز ہے روزانہ ایک گلاس ضرور پیا کرو۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

ملک شیک آیا۔ وہ پیتی رہی اور حمید سوچتا رہا کہ وہ سچ مچ چغد ہے۔ جس کیلئے یہ سارا کھڑاگ کیا اسے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔ حد یہ ہے کہ اس عورت کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔

اُس نے طویل سانس لی اور صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ غالباً چھٹی حس ہی تھی جس نے صدر دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ اُسے کیا پتہ کہ وہ عورت ہال میں داخل ہو رہی ہے۔

حمید سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

عورت کے ساتھ وہی مرد نظر آیا جو پچھلی رات اُسے نیاگرہ سے گھسیٹ لے گیا تھا۔

بس وہی دونوں تھے آگے پیچھے اور کوئی نظر نہ آیا۔ ہوسکتا ہے اُن کے لئے میز پہلے ہی سے مخصوص رہی ہو کیونکہ وہ کسی کی رہنمائی کے بغیر ہی اُس میز تک جا پہنچے تھے۔ فاصلہ حمید کی میز سے زیادہ نہیں تھا لیکن اتنے قریب بھی نہیں تھے کہ وہ اُن کی گفتگو سن سکتا۔

غالباً یہی خان وجاہت ہے، حمید نے سوچا۔ آدمی ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے۔

عورت کچھ اکتائی اکتائی سی نظر آ رہی تھی۔

"تم اُسے اس طرح نہ گھورو......!" حمید نے صفورا سے کہا اور وہ چونک کر پھر ملک شیک کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"میں انگاروں پر کھڑی ہو کر کہہ سکتی ہوں کہ یہ "رلانے والی" ہی ہے۔"

"میرا دل کھنچا جا رہا ہے اس کی طرف۔" حمید بڑبڑایا۔

"خدا کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لو۔ مت دیکھو اس کی طرف۔"

"ارے واہ......یہ کیا بات ہوئی۔"

"مت بھولو کہ تم ایک پولیس آفیسر کے بھیجے ہوئے یہاں آئے ہو۔"

"بس بس اب اُس کا نام نہ لینا۔"

"اللہ رحم کرے......!" صفورا گڑگڑائی۔ "اس خبیث عورت سے ہر ایک کو دور رکھ۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ اُس کے ساتھی کو کرسی سے دھکیل کر خود اس کی جگہ بیٹھوں۔"

"تم چلو یہاں سے اٹھو......!"

"کہاں جاؤں......؟"

"کہیں بھی چلو......لیکن یہاں نہیں بیٹھیں گے۔ میں اتنے اچھے دوست کو موت کے منہ میں جاتے ہوئے نہ دیکھ سکوں گی۔"

"ارے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ مجھے وہ عورت بہت اچھی لگتی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" صفورا طویل سانس لے کر بولی۔ "تم مجھے اُس پولیس آفیسر کا نام اور پتہ بتاؤ۔ میں خود اس سے مل کر گفتگو کروں گی۔"

حمید کا دل چاہا کہ فریدی کا نام اور پتہ لکھ کر اُس کے حوالے کرے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس سے باز رہا کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ پتہ نہیں کیا چکر تھا۔ بہر حال وہ اس عورت کو دیکھتا ہی رہا اور صفورا اس سلسلے میں اپنی پریشانی کا اظہار کرتی رہی۔

"ارے بس کرو......زندہ رہنے دو گی مجھے یا نہیں۔"

"میں پھر کہتی ہوں۔ اس کی طرف سے نظر ہٹالو۔"

حمید جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نظر آیا۔ وہ تنہا ہی تھا اور اس نے دونوں کے قریب ہی کی ایک میز منتخب کی۔ حمید نے عورت کے چہرے پر تغیر دیکھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے یک بیک کھل اٹھی ہو۔ اس کے ساتھی کی بھنویں تنی ہوئی تھیں۔ یہ سارے تغیرات کچھ اتنے واضح قسم کے تھے کہ صفورا نے بھی انہیں محسوس کرلیا تھا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے حمید سے پوچھا۔ اشارہ فریدی کی طرف تھا۔

"دوڑ کر پوچھ آؤں؟"

"کمال کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ وہ خبیثہ اُسے دیکھ کر مسرور نظر آنے لگی ہے۔ لیکن اُس کے ساتھی کی آنکھوں میں کینہ اور نفرت ہے۔"

"ارے تو پھر میں کیا کروں۔" حمید روہانسی آواز میں بولا۔ "کوئی میں نے ٹھیکہ لیا ہے سارے زمانے کا۔"

"ارے......اب تم اپنا موڈ ٹھیک کرلو، ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔"

حمید نے طویل سانس لی اور خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ لہٰذا پھر اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اب فریدی اور خان وجاہت براہِ راست ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید نے محسوس کیا کہ عورت خان وجاہت کی توجہ اُس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بار بار وہ اس سے کچھ کہتی لیکن وہ صرف سر ہلا کر رہ جاتا۔ لیکن آنکھیں بدستور فریدی کے چہرے ہی پر جمی ہوئی تھیں۔

نہ جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دو بچوں کے درمیان پلکیں نہ جھپکانے کا مقابلہ شروع ہوگیا ہو۔

"چلو یہاں سے......!" صفورا حمید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مضطربانہ انداز میں بولی۔ "یہ دونوں ہی خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں یقیناً جھگڑا ہوگا۔"

"خاموش بیٹھی رہو۔"

"میں کہتی ہوں۔"

"چپ رہو......جب ان دونوں کے درمیان جھگڑا شروع ہوگا، میں اسے بآسانی اٹھا لے جاؤں گا۔"

"کس کو......!"

"اُسی عورت کو......منہ پر ہاتھ رکھوں گا اور کاندھے پر اٹھا کر لے بھاگوں گا۔"

"ارے......! تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔"

"احمق لڑکی...... تم اس کے چابک لگاؤ گی...... انتقام لوگی اپنا یا نہیں۔"

"نہیں...... نہیں...... میں کسی زحمت میں نہیں پڑنا چاہتی۔" صفورا کی آواز خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔

اب حمید اُن کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ خان وجاہت اُس عورت سے گفتگو کر رہا ہے لیکن فریدی اب بھی اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"یہ آدمی کون ہوسکتا ہے۔" صفورا پھر بڑبڑائی۔

"کس آدمی کی بات کر رہی ہو۔"

"وہی جو تنہا ہے اپنی میز پر۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ "تم آخر اب اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔"

"اس کی آنکھیں عجیب ہیں...... ایسا لگتا ہے جیسے اُسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ ہو۔"

"ہوں......!" حمید غرایا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

"میں اپنے پاس بیٹھنے والی لڑکی سے کسی دوسرے کی آنکھوں کے بارے میں کچھ سننا پسند نہیں کرتا۔ کیا میری آنکھیں عجیب نہیں ہیں۔"

"ارے واہ...... یہ کیسی باتیں شروع کر دیں تم نے...... میں تو یہ کہہ رہی تھی...... کچھ اس قسم کی آنکھیں ہیں جنہیں خوفناک بھی کہا جاسکتا ہے۔"

"خوفناک...... ہوہ...... اس کی آنکھیں تو ایسی ہیں جیسے ابھی یہیں بیٹھے بیٹھے سو جائے گا۔"

"خدا کی پناہ...... کیا تم ایسی آنکھوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں نے زولولینڈ کے ایک ظالم و جابر بادشاہ "چاکا" کی تصویر دیکھی تھی۔ ایسی ہی آنکھیں تھیں۔ بالکل ایسی ہی آنکھیں...... آنکھوں کی یہ کیفیت خون کی پیاس کا پتہ دیتی ہیں۔"

"لیکن یہاں تو وہ تمہاری ہی طرح ملک شیک پیتا نظر آئے گا۔"

"اوہ...... دیکھو...... وہ شاید اٹھ رہا ہے۔" صفورا مضطربانہ انداز میں بولی۔

حمید نے دیکھا۔ فریدی سچ مچ اٹھ گیا تھا۔ حمید نے اُسے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ عورت کے چہرے پر کسی قدر اضمحلال پیدا ہوگیا ہے۔

عورت اور خان وجاہت وہیں بیٹھے رہے۔ فریدی صدر دروازے سے گذر کر باہر جاچکا تھا۔

"میں کہتی ہوں...... اب تم بھی چلو یہاں سے۔" صفورا بولی۔ "ہم آخر اس کی قیام گاہ کا پتہ لگا کر رہیں ہی گے کیا۔"

"میں نے آج بہت محنت کی ہے۔ بہت وقت برباد کیا ہے۔ لہٰذا کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔"

"چھوڑو بھی۔ تم نے مجھے شہر کی سیر کرانے کو کہا تھا۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے ہی مشورے سے میں نے اس کا تذکرہ اپنے اُس دوست پولیس آفیسر سے کیا تھا۔ لہٰذا اس وقت میں اسی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو اپنے ہوٹل واپس جاسکتی ہو۔"

"تم نے یہ خطرہ میری وجہ سے مول لیا ہے۔ لہٰذا میں ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔"

"تمہاری مرضی...... اچھا میں دس منٹ میں آیا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"کہاں چلے...... کیا میں تنہا بیٹھوں گی۔"

"صرف دس منٹ...... ایک ضروری کام۔"

پھر وہ اُس کی بات سننے کے لئے وہاں رکا نہیں تھا۔ باہر آیا۔ کمپاؤنڈ کے باہر سڑک کے کنارے تھوڑے فاصلے پر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ تھا۔ یہاں سے ہائی سرکل کے منیجر کے نمبر ڈائیل کئے۔ فوراً ہی جواب ملا۔

"میں حمید بول رہا ہوں ڈیئر۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"اوہ...... آداب بجا لاتا ہوں جناب۔ آپ کے مہمان بہت خوش ہیں۔ کہئے اور کوئی

خدمت میرے لائق۔ کچھ دیر پہلے جناب کرنل صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اب تشریف
گئے۔ خان وجاہت اور وہ محترمہ ابھی یہاں موجود ہیں۔"

"مجھے اُن سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید نے کہا۔ "تمہیں تھوڑی تکلیف اور دوں
تمہاری گاڑی غالباً پارکنگ شیڈ میں موجود ہے؟"

"موجود ہے عالی جناب۔"

"اُس کی کنجی اگنیشن میں موجود ملنی چاہئے۔ شاید میرے مہمان اُسے کچھ دیر کے
استعمال کریں۔"

"مم...... مگر جناب......!"

"فکر نہ کرو...... ذمہ داری میری ہے۔ اگر کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوئی تو مرمت کرا کے
تمہیں واپس نہ کی جائے گی۔"

"بہت بہتر جناب۔" مردہ آواز میں کہا گیا۔ "کیا کنجی مہمان کی خدمت میں پیش کردی جائے"

"نہیں اسے اگنیشن میں لگا کر چھوڑ دو۔ بس شکریہ۔"

حمید نے سلسلہ منقطع کردیا۔

پھر کمپاؤنڈ تک پہنچنے میں کم از کم اتنی دیر لگائی کہ اُس کے اندازے کے مطابق اس
میں کار سے متعلق ہدایات پر عمل کیا جاچکا ہو۔

ڈائننگ ہال میں واپسی پر اُس نے دونوں کو وہیں پایا۔ دونوں ہی ایک دوسرے
کشیدہ نظر آرہے تھے۔

کچھ دیر بعد اُس نے عورت کو اٹھتے دیکھا۔ خان وجاہت اُس سے کچھ کہہ رہا تھا اور
انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ وہاں سے جانا چاہتی ہو اور خان وجاہت
رکنے کے لئے کہہ رہا ہو۔

پھر وہ بھی اٹھ گیا۔

"جب وہ صدر دروازے سے گذر جائیں تو ہم بھی اٹھ جائیں گے۔" حمید نے صفو

سے کہا۔

"پتہ نہیں تم کیا کرنا چاہتے ہو۔" وہ پرتشویش انداز میں بڑبڑائی۔

پھر یہ دونوں بھی باہر آئے تھے اور پارکنگ شیڈ سے ان کی گاڑی نکل ہی رہی تھی کہ حمید
نے منیجر کی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے صفورا سے بیٹھنے کو کہا۔

"ارے...... ارے...... ہم تو غالباً ٹیکسی میں آئے تھے۔" صفورا بوکھلا کر بولی۔

"پولیس آفیسر نے اپنی گاڑی ہمارے لئے بھجوادی ہے۔" حمید نے انجن اسٹارٹ کرتے
ہوئے کہا۔

اب وہ خان وجاہت کی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔

"وہ دونوں...... کیا ہم ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔" صفورا ہانپتی ہوئی بولی۔

"تم اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے......!" حمید غرایا۔

"ارے...... ارے......!"

لیکن حمید نے "ارے...... ارے......" کا کوئی جواب نہ دیا۔ کان کھا رہی تھی اتنی دیر
سے۔ اب خاموش ہی رہتی تو اچھا تھا۔

پتہ نہیں وہ خائف تھی یا بوریت محسوس کرنے لگی تھی کہ سچ مچ پھر وہ بولی ہی نہیں۔ وہ شہر
ہی کی سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

"مجھے تو اب نیند آرہی ہے......!" صفورا منمنائی۔

"پچھلی رات بھی تمہیں نیند آرہی تھی جس کی بناء پر آج میں اس حال کو پہنچ گیا...... اب
اس وقت کی نیند شائد کل مجھے مونگ پھلیاں بیچنے پر مجبور کردے۔"

"مجھے میرے ہوٹل پہنچا دو۔"

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اگلی گاڑی کی ڈکے دھواں اگلنے لگی۔

آس پاس کئی چیخیں بھی ابھری تھیں۔ پھر افراتفری سی مچ گئی۔ حمید کے اوسان بحال
تھے۔ وہ اپنی گاڑی آگے نکالے لیتا چلا گیا۔

بوکھلاہٹ

"ارے.....ارے.....روکو.....روکو.....دیکھو کیا ہوا۔" صفورا ہذیانی انداز میں بولی۔

"خاموش بیٹھی رہو۔"

"یعنی.....یعنی.....!"

"شٹ اپ.....!"

صفورا نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ حمید گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر کرتا رہا اور پھر وہ آرلکچو کے سامنے رک گئی۔

"نیچے اُترو.....!" حمید نے کہا۔

"یہ کہاں لائے ہو۔" صفورا نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"بھوکا ہوں..... تمہیں کھاؤں گا۔"

"مجھے ڈراؤ نہیں۔"

"میں کوئی خبیث روح نہیں..... یہ میرا پسندیدہ ہوٹل ہے، یہاں کھانا کھائیں گے۔ چلو اترو..... بھوک چمک اٹھی ہے۔"

وہ سہمی ہوئی سی گاڑی سے اُتری اور حمید کے ساتھ چلنے لگی۔

آرلکچو کا ڈائننگ ہال خاصا آباد تھا۔ لیکن حمید کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ اس پر دھیان دیتا۔ وہ تو بہت ہی جذباتی انداز میں اُس دھماکہ کے متعلق سوچے جا رہا تھا۔ دھماکہ خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکے میں ہوا تھا اور گاڑی ہائی سرکل کلب کے پارکنگ شیڈ میں کھڑی رہی تھی۔ فریدی اور خان وجاہت ہائی سرکل کے ڈائننگ ہال میں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں

سے گھورتے رہے تھے۔ پھر فریدی وہاں سے چلا گیا۔ وجاہت اور وہ عورت باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے اور حمید نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ پھر دھماکہ.....اور وہ اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا تھا۔ کیا تھا یہ سب کچھ؟ فریدی؟ کیا یہ پچھلی رات والی توہین کا انتقام تھا۔ حمید سوچتا رہا اور پھر وہ ویٹر کی آمد پر چونکا تھا۔ مینو سے کچھ یونہی اوٹ پٹانگ سی چیزیں منتخب کیں اور آرڈر دے دیا۔

"میں پوچھتی ہوں.....تم رکے کیوں نہیں تھے۔" صفورا کچھ دیر بعد کانپتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

"میں نے تمہاری عقل پر تو میک اپ کیا نہیں تھا پھر اتنی احمقانہ باتیں کیوں کر رہی ہو۔ ہم دونوں غیر ملکی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس میک اپ میں اگر ہم رکتے تو یقینی طور پر پولیس ہمیں بطور گواہ استعمال کرنے کی کوشش کرتی۔"

"لیکن تمہارا وہ دوست پولیس آفیسر.....!"

"یہ کارروائی نجی طور پر تھی۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اب میں نجی طور پر اُسے اس حادثے سے مطلع کر دوں گا۔"

"ہاں..... یہ تو درست ہے۔ ہم دشواری میں پڑ جاتے۔" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

صفورا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "تو تم مجھ سے کیوں خفا ہو گئے ہو۔"

"خفا نہیں ہو گیا..... بھوکا ہوں..... اور بھوک کی حالت میں پتہ نہیں کیسی کیسی ہستیوں کو چبا گیا ہوں۔ پھر میں یہ نہیں دیکھتا کہ گوشت کی رنگت کیسی ہے؟"

"میں بڑی دیر سے تمہاری باتوں میں درندگی محسوس کر رہی ہوں۔"

"بس اب خاموش رہو۔ کھانے کے بعد مزید گفتگو ہوگی۔ ہر موضوع پر بے تکان بول سکوں گا۔"

وہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ پھر کھانا آ گیا تھا۔ کھانے کے بعد

کافی کا دور چلا لیکن صفورا خاموش ہی رہی اور حمید تو اب اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"بہر حال ہم شہر نہ دیکھ سکے۔" صفورا روانگی کے لئے اٹھتی ہوئی بولی تھی۔

"دیکھ لیں گے شہر بھی۔"

"آخر تمہارا موڈ کیوں خراب ہو گیا ہے۔ شام تک تو اچھے خاصے تھے۔"

"اب بھی ٹھیک ہوں بابا...... کان نہ کھاؤ۔"

اور پھر وہ اُسے مے پول کے قریب چھوڑ کر ہائی سرکل واپس آ گیا تھا۔ یہاں پارکنگ شیڈ میں منیجر کی گاڑی چھوڑی تھی اور واپسی کیلئے مڑ ہی رہا تھا کہ منیجر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"گاڑی نے کوئی تکلیف تو نہیں دی جناب عالی۔"

"نہیں......!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اب وہ سیدھا گھر جانا چاہتا تھا۔ اتفاقاً ٹیکسی بھی جلد ہی مل گئی ورنہ آس پاس ٹیکسی کے لئے کچھ دیر بھٹکنا ہی پڑتا تھا۔

فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ حمید نے سوچا ظاہر ہے گھر پر موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن انتقام لینے کا یہ طریقہ اُسے پسند نہیں آیا تھا۔ ارے کہیں للکار کر مارا ہوتا۔ لیکن عورت...... رلانے والی۔

جہنم میں جائے...... اس نے سوچا۔ پھر کیا کیا جائے۔ اگر اسے علم ہوتا کہ فریدی گھر موجود نہیں ہے تو بارہ ایک بجے سے پہلے گھر واپس نہ آتا۔ صفورا کو مے پول میں چھوڑ کر کہیں بھی جا سکتا تھا۔

اکتاہٹ اور جھلاہٹ میں مبتلا ہو کر اُس نے خواہ مخواہ فون پر اوٹ پٹانگ کالیں کرنی شروع کیں۔ کبھی کسی جنرل مرچنٹ سے ریزر بلیڈ کے دام پوچھتا۔ کبھی کسی سینما ہاؤز کے منیجر سے پوچھتا کہ وہ تین ماہ بعد کون کون سی فلم اکزبٹ کرے گا۔

پھر یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ کسی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر مڑا۔

فریدی کی شکل دیکھتے ہی ایسا بُرا منہ بنایا جیسے خودکشی کر لینے کی حد تک بور ہو گیا ہو۔

"شعر و سخن کا ذوق رکھتے ہو تو آدمیوں میں بیٹھا کرو۔ ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے۔"

"انہیں کے ساتھ میری بھی پرورش ہوئی ہے۔" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"اُوہو......!" فریدی اُسے کھینچ کر لپٹاتا ہوا بولا۔ "بے بی روہانسا ہو رہا ہے۔ چچ چچ...... آؤ فیڈر تیار ہے۔"

"چھوڑ دیجئے مجھے......!" حمید مچلا۔

"چلو سیدھی طرح...... ورنہ......!" فریدی اسکی گردن پکڑ کر پورچ کی طرف گھماتا ہوا بولا۔

حمید بادل ناخواستہ چلنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا ساتھ دیتا رہا۔ وہ برآمدے میں آ بیٹھے۔

حمید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"وہ خوبصورت ہے حمید۔" فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

"میں فی الحال اُس کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ خاتون اس سے بھی زیادہ خوبصورت رہی ہوں۔ لہٰذا مجھے بور نہ کیجئے۔"

"بکواس بند کرو۔ میں اس سے پہلے کئی بار تمہاری روداد عشق سن چکا ہوں۔ میں تو بور نہیں ہوا تھا۔"

"تو گویا یہ سچ ہے......!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

لیکن فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر سگار سلگانے لگا۔ حمید ایک پل کے لئے رک کر پھر بولنے لگا تھا۔ "یا تو اتنا اجتناب...... یا پھر ساری منزلیں ایک ساتھ طے کر ڈالیں۔ یعنی نہ صرف عشق بلکہ رقابت بھی۔ خدا کی پناہ...... بڑی شان والا ہے تو پاک پروردگار چاہے تو گھوڑے کو بھی لاطینی بولنے پر مجبور کر دے۔"

فریدی نے طویل سانس لی اور مسکرا کر حمید کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"آپ نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔

"بھلا وہ کیسے فرزند......؟"

''وہ شخص جو کل تک قانون کا محافظ تھا آج ایک عورت کے لئے قانون شکن بن بیٹھا۔''

''میں نہیں سمجھا......!''

''آپ نے جوش انتقام میں یہ بھی نہ سوچا کہ آپ کی منظورِ نظر بھی اسی گاڑی میں ہوگی۔''

''کیا بک رہے ہو۔ صاف صاف کہو۔''

''آپ نے اُن کی گاڑی کے ڈکے میں غالباً ٹائم بم رکھوا دیا تھا۔''

''تو پھر......؟''

''دھماکہ ہوا تھا......لیکن میں اُن کا انجام دیکھنے کے لئے رکا نہیں تھا۔''

''تم تعاقب کر رہے تھے؟''

''جی ہاں......اور میں نے ہائی سرکل میں آپ دونوں کو خونخوار قسم کے موڈ میں بھی دیکھا تھا اور پھر آپ چپ چاپ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ گویا آپ خان وجاہت کو جتانا چاہتے تھے کہ اب اس کی خیر نہیں...... میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ ارے مارنا ہی تھا تو للکار کو مارا ہوتا۔ پچھلی رات بہترین موقع تھا جب اُس نے اس کا بازو آپ کے بازو سے زبردستی کھینچ لیا تھا۔ کل تو کھڑے منہ دیکھتے رہے تھے۔''

''یہ دھماکہ کس جگہ ہوا تھا حمید صاحب۔''

''زیرو روڈ اور ایگل روڈ کے چوراہے کے قریب......!''

''ہوں......اچھا......!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا اور مزید کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا۔

حمید وہیں بیٹھا سوئنگنگ چیئر میں جھولتا رہا۔ ذہن پر ناخوشگوار سی کیفیت طاری تھی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر واپس آ گیا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

حمید نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

''وہاں ایک دھماکہ سنا ضرور گیا تھا اور گاڑی کی ڈکے سے دھواں بھی نکلتا دیکھا گیا تھا۔ وہ گاڑی رکی بھی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی زیرو روڈ پر مڑ گئی تھی۔ پولیس کو اس گاڑی کی تلاش ہے۔ نمبر بھی کوئی نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''تو یہ اطلاع آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔''

''اگر وہ ٹائم بم تھا تو گاڑی کے پرخچے اڑ جانے چاہئے تھے۔ تم کہتے ہو کہ ڈکے سے صرف دھواں نکلتا ہوا دیکھا تھا تم نے......حد یہ ہے کہ ڈکے کھلا تک نہیں، کم از کم اُسے ہی قبضوں سے اکھڑ جانا چاہئے تھا۔ غالباً اس دھوئیں کی نمائش کے لئے وہ پہلے ہی پوری طرح بند نہ کیا گیا ہوگا۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''آج کل میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں۔'' فریدی نے چڑانے کے سے انداز میں کہا۔

''مجھے بھی وہیں بلوا لیجئے......!'' حمید ملتجیانہ بولا۔

''نہیں......تم نہیں...... یہ معاملہ تمہارے معیار سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔''

''اُوہ......لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے وہ بلا محض آپ کی وجہ سے گلے لگائی ہے۔ آج شام اُس نے پورے یقین کے ساتھ اپنے پچھلے بیان کی تائید کی تھی۔ وہ وہی ہے جو شاگو میں رلانے والی کہلاتی ہے۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اُسے گھورتا رہا۔ فریدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ کل صبح دس بجے تک میں تمہیں بتا سکوں گا کہ تمہاری نئی دوست کا بیان صحیح ہے یا غلط......!''

''بھلا وہ کس طرح۔''

''حمید کیا تم کافی کے لئے کہہ سکو گے۔''

''آپ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں ہائی سرکل میں نہیں۔''

فریدی خود ہی اٹھا اور کچن کی طرف چلا گیا۔

حمید ایک بار پھر ڈانوا ڈول ہو رہا تھا۔ یہ عشق اور رقابت کا چکر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہارڈ اسٹون بدستور بنجر ہے۔ پھر کیا قصہ ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر دفعتاً چونک پڑا۔ تیز قسم کی روشنی چہرے پر پڑی تھی۔

کسی کی گاڑی پھاٹک میں داخل ہو رہی تھی۔ کون ہوسکتا ہے اس وقت۔ قاسم کی طرف

خیال گیا۔ ممکن ہے دماغ میں کھجلی اٹھی ہو۔

بہرحال گاڑی سیدھی پورچ میں چلی آئی۔ حمید اٹھ گیا۔ نہ صرف اٹھ گیا بلکہ الرٹ بھی ہوگیا۔ کیونکہ گاڑی اُسی کے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کی تھی۔

وہ گاڑی سے اُتر ہی رہا تھا کہ فریدی بھی اندر سے آ گیا۔

"اوہ...... آپ......!" وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"ہاں...... مجھے ہی آنا پڑا۔" سوپر نے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے جناب......!" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ......!" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا اور حمید کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہاں اس کی موجودگی غیرضروری سمجھتا ہو۔

"تم ذرا کہہ دو...... کافی جلدی چاہئے۔" فریدی نے حمید سے کہا اور حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہاں سے رخصت ہوگیا۔

"جہنم کی کسی بھٹی پر کیتلی رکھوادو۔" وہ راہداری سے گزرتا ہوا بڑبڑایا تھا۔

سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ مقصد حقیقتاً کافی کے لئے جلدی نہیں تھی بلکہ اُسے وہاں سے ٹالنا ہی مقصود تھا۔ وہ اب فریدی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ لہٰذا پھر ٹیلی فون پر ٹوٹ پڑا۔ خواہ مخواہ کسی نہ کسی سے جھگڑا کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ بس قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ جانتا تھا کہ قاسم کا ایک انسٹرومنٹ خواب گاہ میں بھی رہتا ہے۔

تین بار نمبر ڈائیل کرنے کے بعد دوسری طرف سے قاسم کی دہاڑ سنائی دی تھی۔

"قون ہے...... میں سو رہا ہوں۔"

"بالکل اُلو کے پٹھے ہو۔" حمید نے آواز بدل کر کہا۔

"قیا...... ابے ہوش...... ہوش میں تو ہے۔"

"تمیز سے بات کرو ورنہ مار مار کر بھس بھر دوں گا۔" حمید نے کہا۔

جواب میں قاسم نے شائد گالیاں ہی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن غصے اور بوکھلاہٹ میں

وہ گالیاں معنویت کی حامل نہیں ہوسکی تھیں۔

"یہ کتوں کی طرح کیا بھونک رہا ہے۔" حمید نے کہا۔ غالباً قاسم سانس لینے کے لئے رک گیا تھا۔ لیکن پھر دوسری طرف سے آواز نہیں آئی۔ ویسے سلسلہ بھی منقطع نہیں کیا گیا تھا۔

"ابے ریسیور ہاتھ میں لئے ہی سو گیا کیا۔" حمید نے پھر کہا۔

"ابے قون...... سالے......!" قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔ غالباً پہلے وہ غصہ اور حیرت کی زیادتی کی بناء پر کچھ نہ کہہ سکا ہوگا۔

"میں قوئی بھی ہوں...... لیکن تمہیں آج رات بھر سونے نہیں دوں گا۔"

"اُوع...... غرامی...... قون ہے تو ع......!" اس بار قاسم حلق کے بل چیخا تھا۔

حمید اس کی عادت سے واقف تھا کہ ہار مان کر ریسیور نہیں رکھے گا۔ جتنی دیر چاہو الجھائے رہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر وہ جی بہلانے کے لئے ایسی حرکتیں کر چکا تھا۔ لیکن کبھی قاسم کو اس کا علم نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ حرکت اسی کی ہوتی ہے۔

"میں تمہارا خون پی لوں گا ورنہ زبان کو لگام دو سُور کے بچے۔" حمید نے کہا۔

"جبان...... ابے اپنی جبان بھی تو دیخ...... اللہ غارت کردے اسے سالا...... اپنی جبان نہیں دیختا۔"

"تمہیں تمیز ہی سے گفتگو کرنی چاہئے...... میں چاہے کتنی ہی گالیاں کیوں نہ دوں۔"

"تیرے باپ کے دادا کی دھونس ہے قوئی۔" قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

"صرف میں ہی کافی ہوں تمہارے لئے۔ باپ دادا کو کون تکلیف دے۔ اُلو کے پٹھے۔"

"بہت جلد مرے غا سالا تم...... دو ماہ بعد پھر جی جلانے قو جگایا ہے مجھے۔"

"اب تو روز جگاؤں گا...... مرغی کے تخم......!"

"ابے...... ابے...... یہ کیا غالی ہوئی...... مرغی کے تخم......!" غالباً قاسم کی ذہنی رو بہک گئی تھی۔

"ترکی زبان میں یہی چلتی ہے۔"

"چلتی ہوگی.....مگر تم.....!"

"میں ایک لڑکی ہوں.....آواز بدل سکتی ہوں۔"

"نہیں.....!"

"ہاں...... پیارے۔" اس بار حمید نے باریک سی نسوانی آواز نکالی اور جواب میں دوسری طرف سے قاسم کی "ہی ہی ہی ہی" سنائی دینے لگی اور پھر اس نے کہا۔ "تو تم مجھے غالیاں.....قیوں دیتی رہتی ہو۔"

"محبت میں پیارے..... چڑانے کے لئے۔"

"تو آواج بھاری قرنے کی قیا جرورت ہے.....اپنی میٹھی والی آواج میں غالیاں دیا قرو.....اللہ قسم ہنس ہنس کر سنوں گا۔ ہی ہی ہی۔"

"واقعی اُلو کے پٹھے معلوم ہوتے ہو۔" حمید نے نسوانی ہی آواز میں کہا۔

"بُلقل..... بلقل.....ہی ہی ہی۔"

"تم مجھے دیکھتے ہی رہتے ہو لیکن کبھی نہ جان سکو گے کہ وہ میں ہی ہوں۔" حمید نے کہا۔

"اللہ قسم بتادو..... تمہیں میری جان کی قسم.....!" قاسم صاحب کھیل پیل ہونے لگے۔

"نہیں..... ہرگز نہیں..... یہ تو نہیں بتاؤں گی۔" حمید نے کہا اور ٹھیک اسی وقت فریدی نے اس کی گردن دبوچ لی اور ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین کر خود سننے لگا۔ اس وقت قاسم کہہ رہا تھا۔ "اللہ قسم بتادو میں تمہیں اپنی دل قی رانی بنالوں گا...... بولو...... ہائے بولتی رہو نا...... کھاموشی کیوں ہوگئیں.....!"

"اب میں اس نانہجار کا باپ بول رہا ہوں۔" فریدی غرایا۔

"ارے باپ رے.....غوپ.....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

فریدی بھی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"آخر کب تک اس بچپنے اور حماقتوں میں زندگی بسر کرو گے۔"

"غالباً ایس پی صاحب کافی ہی پینے آئے ہوں گے۔" حمید نے سنی ان سنی کر کے کہا۔

"نہیں.....وہ مجھے اطلاع دینے آئے تھے کہ خان وجاہت نے کچھ دیر پہلے میرے خلاف ایک تحریری رپورٹ انہیں دی ہے۔"

"کس سلسلے میں.....!"

"میں ان کی گرل فرینڈ پر ڈورے ڈال رہا ہوں اور انہیں حراساں کرنے کیلئے میں نے ان کی گاڑی کے ڈکے میں دھماکے کے ساتھ پھٹنے والا کوئی مادہ رکھوا دیا تھا.....وغیرہ وغیرہ۔"

"ثبوت کیا ہے اُس کے پاس.....!"

"کل رات نیاگرہ میں کچھ آدمیوں نے دیکھا تھا کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو میرے پاس سے گھسیٹ لے گیا تھا اور آج شام کو تمہاری ہی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی ہائی سرکل کلب میں مجھ کو اُسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"

"کیا ان گواہوں کے نام بھی رپورٹ میں درج ہیں۔"

"اُوہو.....اُس کے بغیر تو وہ رپورٹ کوئی وقعت ہی نہ رکھتی۔"

"لہٰذا اب تو مجھے بتا دیجئے کہ یہ کیا چکر ہے۔"

"کل بتاؤں گا.....اس سے پہلے نہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے.....آجاؤ۔" فریدی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے؟"

"ڈرائینگ روم میں.....ایک صاحبہ۔"

"کون ہے؟"

"سمجھ میں نہیں آتا صاحب۔ انگریزی بھی فراٹے والی ہے۔ کوئی انگریز ہی ہیں۔"

حمید جو فریدی سے پہلے ہی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا بولا۔ "مجھے پوچھ رہی ہوں گی۔"

پھر وہ "بطرز سرپٹ" ڈرائینگ روم تک آیا تھا۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی

بریک لگ گئے۔ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساتھ ہی دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کار کے بریک ہی کی طرح اس کے جسم کا کوئی حصہ بھی چڑ چڑا دیا ہوتا۔ کیونکہ یہ وہی محترمہ تھیں جن کی وجہ سے اس کی دوسری رات بھی غارت ہوئی جا رہی تھی۔

وہ حمید کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔

''مم...... میں کمال سے ملنا چاہتی ہوں......!'' اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور حمید کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ اتنے میں فریدی بھی اندر آ گیا۔

''کمال......!'' وہ اس کی طرف جھپٹی اور پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے ہیں۔

''وہ درندہ ہے کمال ...... پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ابھی مجھے معلوم ہوا کہ اُس نے پولیس کو تمہارے خلاف کوئی رپورٹ دی ہے اور مجھے یہ بھی کچھ ہی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ تم ایک پولیس آفیسر ہو...... یقین جانو خود اسی نے گاڑی میں کوئی ایسی چیز رکھی ہوگی جو دھماکے سے پھٹ جائے...... وہ جنگلی ہے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ اُس نے میرے خلاف کوئی رپورٹ کی ہے۔''

''ارے مجھے ساتھ لے گیا تھا اُس پولیس آفیسر کے پاس۔''

''تو تم نے بھی اُس سے کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے پولیس آفیسر سے۔''

''میں کیا کہتی...... وہ دونوں ملکی زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اور اُس نے وہ رپورٹ بھی انگریزی میں نہیں لکھی تھی۔ بس مجھے بتا دیا تھا کہ اُس کا مقصد کیا ہے۔''

''تم نے احتجاج کیا ہوگا۔''

''یقیناً...... میں دراصل اسی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہم نیویارک میں ملے تھے۔ مجھے عرصہ سے مشرق کی سیر کا شوق تھا۔ میں نے وجاہت میں صرف اس حد تک کشش محسوس کی تھی کہ اس سے دوستی کرلوں۔ میں نے اسے کبھی چاہا نہیں۔ ہاں تو میں مشرق کی سیر کرنا چاہتی تھی وہ اپنے وطن واپس آ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ مجھے اس کے ساتھ ہی جانا

چاہئے۔ اس طرح اس خواہش کی تکمیل میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔''

''میں نے پوچھا تھا کیا تم نے احتجاج کیا تھا اس رپورٹ کے خلاف۔''

''ہاں ہاں...... میں نے اُسے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔''

''پھر اُس نے کیا کہا۔''

''اُس نے مجھے دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا کہ وہ یہاں کے بااثر لوگوں میں سے ہے۔ میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گی اگر وہ زبردستی پر اتر آیا۔ میں بھی سوچ کر خاموش رہ گئی کہ خواہ مخواہ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔ لیکن اب وہاں سے بھاگ آئی ہوں۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو تمہارا پتہ دیا تھا وہ مجھے یہاں چھوڑ گیا۔''

''اب اگر خان وجاہت کو اس کا علم ہوا تو۔''

''تو کیا ہوگا...... مجھے اُسی پولیس آفیسر کے پاس لے چلو جسے تمہارے خلاف درخواست دی گئی ہے۔ میں اس سے کہہ دوں گی کہ میں خان وجاہت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔''

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید تو شروع ہی سے اپنی کھوپڑی سہلاتا رہا تھا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی اس چاند کے ٹکڑے کی طرف۔ فریدی سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔'' دفعتاً عورت بولی۔

''خان وجاہت واقعی بااثر آدمی ہے اور خطرناک بھی۔''

''تو تم اُس سے ڈر گئے ہو۔ میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھی تھی۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حکومت کے ذمہ داروں سے اُس کے خاندان والوں کے مراسم ہیں۔ وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔''

''میں کہتی ہوں مجھے اُس پولیس آفیسر کے پاس لے چلو۔ میں صاف کہہ دوں گی۔''

''اُس سے کچھ نہیں ہوگا۔''

"پھر میں کیا کروں...... بتاؤ......تمہارے ملک میں تنہا ہوں۔ مجھے اُس درندے کے پنجے سے رہائی دلاؤ۔"

"تم اپنے سفارت خانے سے کیوں نہیں رجوع کرتیں۔"

"لیکن میں کہوں گی کیا جب کہ سفارت خانے کو اس سے پہلے ہی مطلع کر چکی ہوں کہ اپنے دوست خان وجاہت کے ساتھ قیام کروں گی۔"

پھر دفعتاً وہ حمید کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "یہ کون ہے؟"

"میرا اسسٹنٹ......!"

"کیا ہر معاملے میں تمہیں اسسٹ کرتا ہے۔"

"ہاں......!"

"لیکن یہاں تو اس کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔" وہ مضحکانہ انداز میں مسکرائی۔ حمید نے بھنا کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جاؤ...... آرام کرو۔"

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُسے بہت بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ تیزی سے وہ دروازے کی طرف مڑا تھا اور خواب گاہ میں آ کر کئی چیزیں توڑ ڈالیں تھیں۔ اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر سر کو کئی جھٹکے دیئے تھے۔ پھر حلق پھاڑ کر چیخنے کو جی چاہا لیکن اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

دل کا بخار نکالنے کے لئے زبان اینٹھی جا رہی تھی۔ دفعتاً فون پر نظر پڑی اور وہ ایک بار پھر قاسم کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ اب کے جواب ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

غالباً قاسم پھر نہیں سویا تھا۔

"اُو موٹے حرامزادے۔" حمید نے ماؤتھ پیس میں دہاڑ مار کر کہا۔ لیکن جواب میں مسلسل "ہی ہی ہی ہی" سنائی دی۔

"کیا تمہاری بیوی مر گئی ہے کہ اس طرح رو رہے ہو۔!" حمید نے کہا۔

"ارے مر بھی تو چکے قسی صورت سے...... میں تو ہنس رہا تھا۔"

"اسی طرح ہنستے ہو۔" حمید نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"اب نہیں آؤں غا دھوکے میں چاہے جتنی بھاری آواز میں بولو۔ ہی ہی ہی ہی"

پھر حمید اُسے بے تحاشہ گالیاں دیتا رہا اور دوسری طرف سے "ہی ہی ہی ہی" کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دیا تھا۔

گمشدگی

دوسری صبح حمید کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ پچھلی رات اُسے نیند کیسے آ گئی تھی۔ غصے کے مارے آگ ہو رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی دروازے کی طرف جھپٹا۔ ہینڈل گھما کر جھٹکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ چند لمحے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر کے بستر پر جا بیٹھا۔

پچھلی رات نیند آ جانے پر اُسے حیرت تھی۔ کیونکہ انتہائی جھلاہٹ کے عالم میں نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

پچھلی رات قاسم کو فون پر گالیاں دینے کے بعد اُس نے پھر کمرے سے باہر نکلنا چاہا تھا لیکن دروازے کو باہر سے مقفل پا کر تلوے سے لگی تھی اور سر پر بجھی تھی۔ غصہ کے مارے قریب قریب پاگل ہو گیا تھا۔

پھر یاد نہیں کس طرح غصہ فرو ہوا تھا اور اُسے نیند آ گئی تھی۔ بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈیوٹی پر حاضری برحق لیکن اب وہ اپنی راتیں اس چھت کے نیچے نہیں گذارے گا۔ کوئی بات نہیں۔ اتنا ذلیل سمجھ لیا ہے کہ کمرہ باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ جیسے وہ مخل ہوتا۔ لعنت ہے۔ زندگی میں پہلی بار ایسی کوئی حماقت ہو جائے تو یار لوگ مربھکوں کی طرح گرتے ہیں۔ یہاں کیا غم ہے۔ اتنے قریب آ کر پھر پلٹ جانی والی لڑکیوں کی صحیح تعداد بھی اُسے یاد نہ ہو گی ہونہہ!

وہ چونک پڑا۔ کسی نے باہر سے دروازے کو کھٹکایا تھا۔

''کون ہے......آ جاؤ'' وہ غرایا۔

آنے والا حمید کا منہ لگا ملازم شریف تھا۔ حمید نے اُسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

''صاحب دے گئے ہیں؟'' اس نے ایک لفافہ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بھاگ جاؤ'' حمید نے لفافہ اُس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا اور وہ چپ چاپ کھسک گیا۔

لفافے سے برآمد ہونے والی تحریر تھی۔

''حمید......عزیزم......تمہاری خفگی حق بجانب ہے......لیکن بعد میں تمہیں اپنے غصے پر ندامت بھی ہوسکتی......لنکن چھوڑے جارہا ہوں۔ تم اسی سے اینگل بیچ والے ہٹ میں آ جاؤ......میری تحریر ضائع کردو۔

فریدی۔''

اس نے غیر ارادی طور پر خط کو دیا سلائی دکھا دی۔ کاغذ جل گیا۔ لیکن اُس کا ذہن اب بھی اپنے طور پر بھٹک رہا تھا۔ اینگل بیچ پر عیش ہو رہے ہیں۔

بہرحال تحریر نے ذہن پر اچھا ہی اثر ڈالا تھا۔ اُس نے سوچا کہ یہ بھی حماقت ہی ہے کہ غصے کی بناء پر ناشتہ کہیں باہر کیا جائے۔ لہٰذا وہ ضروریات سے فارغ ہو کر ڈائننگ روم میں آیا۔

شریف یہاں بھی دکھائی دیا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اُسے کچھ بتانا چاہتا ہے۔

''ابے کیوں میری جان کو آ گیا۔ دوسری بار تیری شکل دیکھ رہا ہوں۔'' حمید نے اُس سے کہا۔

''میں اب بے ہوش ہو جاؤں گا صاحب......؟''

''میری طرف سے تو جان بحق بھی ہو سکتا ہے۔''

''نہیں صاحب مذاق نہیں......رات آپ پتہ نہیں کہاں تھے۔ یہاں کیا کچھ نہیں ہو گیا۔''

''کیا مطلب......؟''

''وہ میم صاحب تو آپ کے سامنے ہی آئی تھیں۔''

''ہاں تو پھر......!''

''ٹھیک دو بجے رات کو ڈی آئی جی صاحب پہنچے۔ اُن کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا اور ڈی آئی جی صاحب سے برابر کہے جا رہا تھا میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہیں ہوگی۔ صاحب سوئے نہیں تھے۔ پتہ نہیں ڈی آئی جی صاحب سے انگریزی میں کیا بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرا آدمی غصے میں بھرا ہوا تھا۔ بار بار صاحب کی طرف مکا ہلاتا تھا۔ لیکن کمال ہو گیا صاحب کو ذرا سا بھی غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ مسکراتے رہے تھے۔''

''اور وہ عورت کہاں تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''کسی کمرے میں رہی ہوگی۔ کیونکہ بعد میں صاحب اُسے ڈرائینگ روم میں لائے تھے۔''

''ان کے جانے کے بعد......؟''

''صاحب ان کی موجودگی ہی میں......عورت دوسرے آدمی کو دیکھ کر کچھ ڈری سی گئی تھی۔ اُس نے جھپٹ کر اُس کا ہاتھ پکڑا تھا......وہ چیخنے لگی تھی اور چیختے چیختے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ڈی آئی جی صاحب ہمارے صاحب کو غصیلی نظروں سے گھورتے رہے تھے۔ پھر انگریزی میں کچھ کہتے ہوئے انہیں لوگوں کے ساتھ چلے گئے۔''

''کن لوگوں کے ساتھ......!''

''عورت اور دوسرے آدمی کے ساتھ۔ وہ بیہوش عورت کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔''

''اور پھر......!''

''صاحب کچھ دیر ٹھہرے تھے اور مجھے خط دے کر وہ بھی کہیں باہر چلے گئے تھے۔ آپ والی موٹر سائیکل لے گئے ہیں۔ مجھ سے کہا تھا صبح جب آپ جاگیں اُسی وقت ان کا خط آپ کو دیا جائے۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوا۔

''وہ عورت کون تھی صاحب۔''

''اخاہ......اب آپ کو یہ بھی بتایا جائے۔''

''ہم سب بہت پریشان ہیں صاحب۔ اپنے صاحب کے بارے میں کبھی کسی سے کوئی بُری بات نہیں سنی۔''

''جاؤ......کان نہ کھاؤ۔''

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے چلا گیا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ سارے ہی ملازم دل گرفتہ نظر آرہے ہیں۔

اب اس کے ذہن میں بھی پہلا سا غبار باقی نہیں رہا تھا۔ ڈی آئی جی کی آمد۔ وہ دوسرا آدمی یقیناً خان وجاہت رہا ہوگا اور پھر اُن محترمہ کی بے ہوشی......ناشتے کے بعد اس نے پھر شریف سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ شروع کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عورت کا رول مشتبہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آخر ڈی آئی جی کی موجودگی میں اس کا صرف چیخ چلا کر بے ہوش ہوجانا کیا معنی رکھتا تھا۔ شریف یا دوسرے ملازمین انگریزی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انہیں کم از کم اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ بے معنی چیخ پکار اور کچھ کہے جانے میں فرق کرسکتے۔

یقیناً کوئی بڑا چکر تھا جسے فریدی اپنے طور پر نپٹانا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ حمید کی عقل راہ پر آتی گئی اور وہ فریدی کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

لنکن کوٹھی کی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر ہولی اور حمید نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کیا کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔

ایگل بیچ پہنچتے پہنچتے شبہ یقین میں تبدیل ہوگیا تھا۔ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کوٹھی کے قریب ہی سے لگی چلی آئی تھی۔

ہٹ کے سامنے لنکن روکتے وقت وہ اس کے برابر ہی سے گذری چلی گئی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی تھا اور وہی اسے ڈرائیو کررہا تھا۔

حمید گاڑی سے اُتر کر ہٹ کے دروازے پر آیا۔ محافظ نے پہلے ہی اُسے دیکھ لیا تھا۔ لپکتا ہوا اس کے قریب آکر بولا۔ ''سلام صاحب......بڑے صاحب کا فون آیا تھا۔''

''کیا وہ یہاں نہیں ہیں۔''

''نہیں صاحب۔''

''کب سے نہیں آئے۔''

''ایک مہینہ ہوتا ہے صاحب......بس تھوڑی دیر کے لئے آئے تھے۔''

''خیر......خیر......دروازہ کھولو۔''

چوکیدار نے قفل کے سوراخ میں کنجی لگاتے ہوئے کہا۔ ''صاحب نے فون پر کہا تھا کہ آپ جب آئیں تو تین چار سات گیارہ پر انہیں فون کریں۔''

''تین چار......سات گیارہ......!'' حمید نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ اس کی دانست میں یہ نمبر پہلے کبھی اس کے علم میں نہیں آئے تھے۔

بہرحال کچھ دیر ٹھہر کر اس نے فون پر چوکیدار کے بتائے ہوئے نمبر ڈائیل کئے۔

''ہیلو......تھری فورسیون ڈبل ون۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ لیکن یہ آواز تو فریدی کی نہیں تھی۔

''کیپٹن حمید اسپیکنگ......!''

''پلیز ہولڈ آن......!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ ''ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہی کہ تم غالباً اس کا مقصد سمجھ ہی گئے ہوگے۔''

''نہ سمجھوں تو زندہ رہنے کا فائدہ ہی کیا......؟''

''بہرحال تم نے دیکھا ہے کہ اب ہم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔ محکماتی طور پر بھی اور ان لوگوں کی طرف سے بھی۔''

''کن لوگوں کی بات کررہے ہیں۔''

''ختم کرو......فی الحال میں تمہاری کارگذاریوں پر خوش ہو رہا ہوں۔''

''اس طنز کا تعلق میری کس حماقت سے ہے۔''

''بصدقِ دل کہہ رہا ہوں فرزند...... تمہاری حماقتیں زیادہ تر میرے لئے کارآمد
ہوتی رہی ہیں۔ اس بار بھی اتفاقاً ایسا ہی ہوا ہے۔''

''وضاحت فرمائیے...... ورنہ میں خوشی کے مارے پاگل نہ ہوسکوں گا۔''

''وہ نیگریس...... صفورا......!''

''اس پر تو کرم ہی کیجئے...... اب کیا میں اتنے کا بھی حقدار نہیں۔''

''خیر گولی مارو...... میں دشواریوں میں پڑ گیا ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکی میں میری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''اور دوسری طرف وہ عورت بھی میرے ہی گھر سے برآمد ہوئی۔''

''شریف نے مجھے بتایا تھا۔ لیکن بات میرے پلے نہیں پڑی۔''

''عزیز القدر...... وہ تو بڑی عجیب سچویشن تھی۔''

''اب جلدی سے کہہ ڈالئے...... ورنہ میرے دم نکل آئے گی۔''

''بھئی وہ پناہ لینے کے لئے میرے پاس آئی تھی...... لہٰذا میں نے ایک کمرے میں ا
کے لئے انتظام کرادیا تھا۔ ڈھائی بجے رات کو خان وجاہت ڈی آئی جی صاحب سمیت
آپہنچا...... وہ مطالبہ کر رہا تھا اس کا۔ میں نے اُسے بلوایا اور وہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی بے
ہوش ہوگئی۔ اب تم خود سمجھو فوری طور پر ان لوگوں نے کیا سمجھا ہوگا۔''

''اب کیا خیال ہے ان کا......!''

''وہ ہوش میں آگئی ہے لیکن زبان بند ہے۔ کچھ بولتی ہی نہیں۔''

''میں جا کر زبان کھلوادوں۔'' حمید نے چہک کر پوچھا۔ ''ہے کہاں......؟''

''سول ہسپتال میں۔''

''تو پھر آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔''

''فی الحال آرام کر رہا ہوں...... میرے متعلق کسی کے بھی سوال کا صحیح جواب نہ دو۔ سوال
کرنے والے خواہ ہمارے آفیسر ہوں خواہ ملنے جلنے والے۔''

''آخر چکر کیا ہے...... خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکی میں آپ کی انگلیوں کے نشانات
کیونکر ملے......''

''ظاہر ہے کہ وہ میری ہی انگلیوں کے نشانات تھے۔''

''اوہو...... تو وہ آتشگیر مادہ۔''

''وہ صرف ایک آٹومیٹک پٹاخہ تھا...... مقصد یہ تھا کہ وہ دونوں کسی کھلی جگہ میں گاڑی
سے باہر نکل آئیں۔''

''آخر کیوں؟''

''عورت کی تصویر لینی تھی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''احمق ہو...... تمہاری اس نیگریس دوست کے بیان کی تصدیق کرنی تھی۔''

''تو کیا......؟''

''ہاں...... تصدیق ہوگئی ہے۔ اس کا بیان درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ نیک نام عورت
نہیں ہے۔ کسی دور دراز اسٹیٹ سے نام بدل کر پاسپورٹ حاصل کیا ہوگا اس نے...... بہرحال
شکاگو پولیس کی رپورٹ اس کے بارے میں اچھی نہیں۔''

''کیا چکر ہے۔''

''کچھ بھی ہو کیس کی کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر رہے گا مطمئن رہو۔''

''لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈکے میں آپ نے اپنی انگلیوں کے نشانات کیسے چھوڑے۔''

''جان بوجھ کر۔ فی الحال تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ویسے تمہیں عام طور پر ظاہر یہی کرنا ہے
کہ تم میری گمشدگی کی وجہ سے پریشان ہو۔''

"کیا قیام یہیں رہے گا۔"

"ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔"

"ایک بات اور بتا دیجئے۔ کیا وہ عورت کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں دریافت ہوئی تھی۔"

"نہیں...... بس یونہی اتفاقاً...... دریافت نہیں ہوئی تھی بلکہ اب تو یہی کہنا چاہئے کہ اس نے مجھے دریافت کیا تھا۔"

"نام کیا ہے۔"

"نوما اسکراٹا کے نام سے شکاگو پولیس جانتی ہے۔ یہاں ایلی نور کے نام کے پاسپورٹ پر آئی ہے۔ خیر ہاں تو سنو۔ تم جب بھی چاہو اسی فون نمبر پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ میں نہ ملوں تو پیغام لکھوا دو۔"

"کچھ اور......!"

"نہیں بس......!" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے طویل سانس لی اور ریسیور رکھ کر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا۔

آسمان پر بادل تھے اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا خنک تھی۔ بہر حال بحیثیت مجموعی وہ دن خوشگوار کہا جا سکتا تھا۔ اس نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے سوچا یقیناً وہ لوگ فریدی کو کسی جال میں پھانسنا چاہتے ہیں۔ مگر خدا کی پناہ...... یہ عورتیں...... اُس کے انداز میں کتنی سپردگی تھی جب وہ فریدی کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ آنکھوں میں گویا محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ایسا لگتا جیسے وہ اپنے وجود کو فریدی کے وجود میں سمو دینا چاہتی ہو۔ پھر کیسی کربناک کیفیت اس کی آنکھوں میں نظر آئی تھی جب خان وجاہت اُسے فریدی کے پاس سے گھسیٹ لے گیا تھا۔ خداوندا یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہ صلاحیت تو نے صرف عورتوں میں کیوں ودیعت کی ہے۔ پھر اسے صفورا یاد آئی اور اسے تسلیم کر لینا پڑا کہ خود قدرت ہی فریدی پر مہربان ہے۔ ورنہ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اس کی ضد میں کسی ایسی عورت سے جا ٹکراتا جو اس عورت نوما اسکراٹا سے اس حد تک واقف ہوتی۔ بہر حال صفورا کے بیان کردہ حالات جاننے سے قبل فریدی

نوما اسکراٹا کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ کیا کہا جا سکتا ہے اس اتفاق کو۔

اس حد تک تو حمید کی الجھن رفع ہو گئی تھی کہ اس کہانی میں فریدی کسی قسم کا رول ادا کر رہا ہے لیکن اب یہ فکر تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کرے گا کیا۔

وہ کافی دیر تک کھڑکی کے قریب کھڑا پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا تھا۔ اس کے بعد جو شامت نے گھیرا تو دریافت حال کے لئے سرجنٹ رمیش کو فون کر بیٹھا۔ اس نے کہا فوراً آفس پہنچو ورنہ تم بھی لاپتہ قرار دے دیئے جاؤ گے۔

اور پھر جب وہ آفس پہنچا تو وہاں کافی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی کے حریف آفیسروں نے اُسے گھیر لیا اور وہی افواہ سننے میں آئی جس کا خدشہ تھا۔ اغواء بالجبر اور ایسی زبردستی کہ وہ ہوش و حواس ہی کھو بیٹھی۔ ایک انسپکٹر نے تو کھل کر کہا تھا کہ فریدی صاحب کا تجرد رنگ لایا ہے۔ بالآخر بوکھلا گئے حضرت۔ ساری بندشیں ٹوٹ گئیں۔ ایسے خبط الحواس ہوئے کہ سالہا سال کی نیک نامی کو داغ لگا بیٹھے۔ حمید کیا بولتا۔ بس سنتا اور لطف لیتا رہا تھا۔ پھر ایک صاحب کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے مزے لے لے کر بولا تھا۔ "بس کیا پوچھتے ہیں صاحب۔ مجھے تو صبح ہی علم ہو سکا جب چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔ ویسے رات کو ڈیڑھ بجے آنکھ کھلی تھی اور میں نے کسی ضرورت سے باہر نکلنا چاہا تھا لیکن نہیں نکل سکا تھا کیونکہ میرے کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ یقین کیجئے میرے فرشتوں کو بھی اصل واقعہ کا علم نہیں تھا ورنہ چیخ چیخ کر پوری کوٹھی سر پر اٹھا لیتا۔ مجھے تو صبح نوکروں سے معلوم ہوا تھا...... اوہ...... میں نہیں جانتا کہ اب وہ کسی کو منہ دکھا بھی سکیں گے یا نہیں۔"

پھر اسے براہِ راست ڈی آئی جی کے آفس میں طلب کر لیا گیا۔ ڈی آئی جی کے سامنے پیشی ہوئی اور اس نے وہی سب کچھ بتایا جو اس سے پہلے دوسروں کو بتا چکا تھا۔

ڈی آئی جی کے استفسار پر اس نے کہا۔ "جناب عالی یقین فرمائیے۔ میں ایسی کسی عورت کے وجود کا علم نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سب کچھ خواب ہے۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے...... ایسا شاندار آفیسر جسے محکمے کی ناک کہنا چاہئے اس طرح

ضائع ہوگیا۔ اب کیا ہوسکتا ہے...... اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لئے سامنے نہیں آ
کوئی کیا کرسکے گا۔ کچھ بھی تو نہیں۔"

ڈی آئی جی سچ مچ رنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔ حمید کے ذہن پر بھی خواہ مخواہ افسردگی طا
ہونے لگی۔

"اچھی بات ہے۔" ڈی آئی جی نے ملاقات ختم ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"کم از کم ہر وقت محکمے کی پہنچ ہی میں رہنا۔"

"بہتر جناب۔" حمید نے کہا تھا اور سلام کر کے رخصت ہوگیا تھا۔

گورکھ دھندا

دو دن جوں توں گذرے اور تیسرے دن تو حمید کا دم گھٹنے لگا۔ فریدی کے بتائے ہ
نمبروں پر فون کر کے پیغامات نوٹ کراتا رہا تھا۔ خود اس سے ایک بار بھی گفتگو نہیں ہوسکی تھ

تیسرا دن گذرنا مشکل ہوگیا اور اب تو اُسے بھی ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے خ
فریدی سے اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب ہوگیا ہو۔ گھٹن کی وجہ غالباً یہی احساس تھا۔ اگ
اُسے اطلاع ملی کہ خان وجاہت نے محکمے کے بعض آفیسروں کو بُرا بھلا کہا تھا اور اُن پر ب
واضح کی تھی کہ اگر مجرم دو دن کے اندر اندر نہ پکڑا گیا تو وہ اس معاملے کو آگے بڑھا د
پریس کو بھی مطلع کردے گا کہ خود قانون کے محافظ کس طرح قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

اس کا دل چاہا کہ خان وجاہت کو راہ چلتے للکار دے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش
تھا کہ پھر قانون کے محافظوں کی غنڈہ گردی کے حوالے بھی دیئے جانے لگیں گے۔ ویسے
نہیں سوچتا کہ قانون کے محافظ بھی آدمی ہی ہوتے ہیں اور ذاتی توہین پر انہیں بھی غصہ آسکتا

اسی شام کو وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں جی بہلانے کی کوشش کررہا تھا کہ خان وجاہت
سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔ اُن میں سے ایک نے حمید کی طرف اشارہ
کیا اور وہ تینوں سیدھے اسی کی میز کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ تین کرسیاں خالی تھیں۔ وہ اس کی اجازت حاصل کئے بغیر بیٹھ
گئے۔ حالانکہ یہ کلب کے ضوابط کے خلاف تھا۔

"تم کیپٹن حمید ہو۔" خان وجاہت نے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں...... اور بدتمیزوں کا جبڑا توڑ دینے کے لئے شہرت رکھتا ہوں۔"

"کیا مطلب......؟"

"ہمارے معاشرے میں ایسا طرز تخاطب بدتمیزی کے مترادف ہے۔"

"میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فریدی کہاں ہے۔" خان وجاہت میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"تم ہو کون......؟" حمید آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"شٹ اپ......!"

حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا اور ٹھوکر مار کر کرسی ایک طرف گرادی۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ بغلی
ہولسٹر پر پہنچ گیا تھا۔

وہ تینوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

دفعتاً اُن میں سے ایک آدمی نے خان وجاہت کی طرف مڑ کر لجاجت سے کہا۔ "باس
پلیز بات بڑھانے سے کیا فائدہ...... کیپٹن حمید بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"اچھا تو پھر تم ہی گفتگو کرو۔" خان وجاہت نے کہا۔ لیکن اس بار بھی اس کا لہجہ پھاڑ
کھانے کا سا تھا۔

"بیٹھ جایئے کیپٹن......!" اُسی آدمی نے حمید کی گرائی ہوئی کرسی سیدھی کرتے ہوئے کہا۔
"اب گفتگو دوستانہ ماحول میں ہوگی۔ باس ہمارے معاشرے سے کافی دنوں دور رہے ہیں۔"

اس اچانک تبدیلی کے لئے حمید تیار نہیں تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ دوسرے ہی لمحے میں ہولسٹر

سے ریوالور نکال لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ بہر حال اُسے طوعاً وکرہاً بیٹھنا پڑا۔ اُ
میں منیجر بھی دوڑا آیا تھا۔ لیکن وجاہت نے ہاتھ کے بے ڈھنگے اشارے سے اُسے واپس ج
کو کہا۔ وہ بے بسی سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا چپ چاپ چلا گیا۔

"مادام ایلی نور...... ہوش میں آ گئی ہیں۔" وجاہت کے ساتھی نے کہا۔ "مطلب ی
اب وہ گفتگو بھی کرسکتی ہیں۔ ہم نے اُن سے انکی خیریت معلوم کرنی چاہی۔ لیکن انہوں نے کہ
وہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ ہی کی موجودگی میں گفتگو کرسکیں گی جو اس وقت وہاں موجود تھا۔"

"تو پھر آپ حضرات سیدھے میرے ہی پاس کیوں چلے آئے۔ کرنل فریدی کے
اسسٹنٹ اور بھی ہیں۔ سارجنٹ رمیش اور سردار امر سنگھ......"

"ان دونوں حضرات کے تعارف پر وہ اُن سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کرچکی ہیں۔"

"پھر یہ قطعی غلط ہے کہ اُن کی مراد مجھ سے ہوگی...... میں تو بے خبر سو رہا تھا۔"

"یہ تو وہ بیان ہے جو آپ نے اپنے محکمے کو دیا ہے۔" دوسرا آدمی اپنی آنکھ دبا کر مسکرا

"میرے پاس دوسرا کوئی بیان نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر از راہِ انسانیت ہماری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ وہ باس کی مہمان تھیں ا
حادثے سے باس کی سخت توہین ہوئی ہے۔"

"بھائی...... میں تو اس توہین کا ذمہ دار نہیں اور پھر چونکہ یہ معاملہ ایک کیس کی حیثیت
حاصل کرچکا ہے لہٰذا میں اپنے سپرنٹنڈنٹ کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

"ہم آپ کے لئے اجازت نامہ ہی لائے ہیں...... ملاحظہ کیجئے۔" اُس نے جیب
ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

یہ اُس کے لئے سپرنٹنڈنٹ کا حکم نامہ ہی تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مس ایلی نور کا بیان
بند کرے۔

"ہمیں سپرنٹنڈنٹ صاحب ہی سے معلوم ہوا تھا کہ آپ یہاں ملیں گے۔" وہی آ
بولا اور حمید نے پرتشویش انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ ڈی آئی جی کے حکم کے مطابق

کل وہ محکمے کو اپنی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا تھا۔ لہٰذا یہاں سے بھی اُس نے فون پر ایک ذمہ
دار آفیسر کو مطلع کیا تھا کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہے۔

"تو یہ کہئے۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "مجھے کارروائی شناخت کے لئے وہاں لے
جایا جارہا ہے۔"

"اب جو کچھ بھی سمجھئے۔ حکم نامہ آپ کے حوالے کرچکا ہوں۔"

"ہوں...... اُوں......!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "چلئے...... لیکن ٹھہریئے۔ میں یہاں سے
روانگی کی اطلاع بھی اپنے محکمے کے ایک ذمہ دار آفیسر کو دوں گا۔"

"آپ کی مرضی۔"

حمید اُن تینوں آدمیوں کے ساتھ منیجر کے کمرے میں آیا۔ وہاں سے اپنے آفس کو
اطلاع دی کہ وہ سپرنٹنڈنٹ کے تحریری حکم کے مطابق خان وجاہت اور اُس کے دو ساتھیوں
کے ہمراہ خان وجاہت کی قیام گاہ پر جارہا ہے اور پھر وہ باہر آ گئے۔ خان وجاہت کے ساتھی
نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہوش آ جانے کے بعد وہ ہسپتال سے خان وجاہت کی کوٹھی میں منتقل
کردی گئی ہے۔

اور خان وجاہت کی کوٹھی کے اُس کمرے میں پہنچ کر جہاں وہ عورت موجود تھی حمید پر یہ
حقیقت روشن ہوگئی کہ اُس کے لئے باقاعدہ طور پر جال بچھایا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں اس نے ڈی
آئی جی کو بھی بیٹھے پایا۔ عورت ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ حسین
دکھائی دیتی تھی۔

"ہاں...... یہی ہے۔" اس نے حمید کو دیکھتے ہی کہا۔ "یہ آدمی اس وقت وہاں موجود تھا۔"
ڈی آئی جی نے قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور حمید سمجھ گیا کہ سچ مچ اس سے
پہلے امر سنگھ اور رمیش کی شناختی پریڈ ہوچکی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"فضول بکواس مت کرو۔" ڈی آئی جی نے غضب ناک ہو کر کہا۔

حمید نے خاموشی اختیار کی اور اندر ہی اندر کھولتا رہا۔ اب اس عورت نے بولنا شروع کیا۔ بالتفصیل ایسے دل ہلا دینے والے واقعات بیان کر رہی تھی کہ شیطان کے کان بھی بہرے ہو جائیں۔

ڈی آئی جی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آخر اُس نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ”اب تم کیا کہو گے۔“

”جناب عالی! میں کیا عرض کروں۔ میں نے پہلے بھی ساری باتیں دوسروں سے سنی تھیں اور یہ واقعہ ان کی زبانی سن رہا ہوں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کرنل صاحب ایسے ہی بہیمانہ موڈ میں تھے تو انہیں اس کا ہوش کیسے رہا ہوگا کہ ان سے میرا بھی تعارف کراتے۔ انہیں یہ بتاتے کہ یہ میرا اسسٹنٹ ہے اور اگر انہوں نے خود ہی اندازہ لگایا تھا کہ میں ان کا اسسٹنٹ ہوں تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ میں نے اس نامعقولیت میں بھی انہیں اسسٹ کیا ہوگا۔“

”تم کیا بکواس کر رہے ہو۔“ خان وجاہت بول پڑا۔

”شٹ اپ یور ڈرٹی سوائین...... میں صرف اپنے آفیسر کو جواب دہ ہوں۔“ حمید کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک ملازم ہانپتا کانپتا کمرے میں داخل ہوا۔

”سرکار وہ چلے آرہے ہیں...... روکے نہیں رکتے۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”کون......!“ خان وجاہت دروازے کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے فلٹ ہیٹ اتارتے ہوئے ڈی آئی جی کو سلام کیا۔

”تم......!“ ڈی آئی جی بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہوگیا۔ ”اس طرح۔“

حمید کا تو سر ہی گھوم کر رہ گیا تھا۔ اس نے سوچا ممکن ہے فریدی کو یہاں ڈی آئی جی کی موجودگی کا علم نہ رہا ہو اور وہ ہر قسم کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر خان وجاہت سے نپٹنے کے لئے اس طرح زبردستی گھس آیا ہو۔

”جناب عالی......!“ فریدی نرم لہجے میں بولا۔ ”اس نازک موقع پر میری موجودگی بہت

ضروری تھی۔“

پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”یہ ہیں مسٹر مائیکل برگ شکاگو پولیس کے انسپکٹر بکار خاص۔“

”مائیکل برگ......!“ عورت اچھل پڑی۔

”ہاں کتیا...... اب کہاں جاؤ گی بچ کر۔“ فریدی کا ساتھی بولا۔

اب حمید نے غور سے دیکھا وہ یقیناً ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔

”یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔“ ڈی آئی جی فریدی کی طرف متوجہ ہو کر بڑبڑایا۔

”مائیکل برگ..... یہاں سے چلے جاؤ۔“ دفعتاً عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ ”یہ شکاگو نہیں ہے۔“

”آج پہلی بار تمہارے خلاف ایک واضح ترین ثبوت ہاتھ آیا ہے۔ کیا سمجھتی ہو تم۔ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا۔“

”کیسا ثبوت......؟“

”شکاگو کی نوما کم از کم شکاگو کے لئے نوما ہی رہے گی۔ ایلی نور نہیں بن سکتی۔ تم نے نام بدل کر جعلی پاسپورٹ پر سفر کیا ہے۔ دو حکومتوں کو دھوکا دیا ہے۔ تم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے۔ باقی ہم خود ہی اگلوالیں گے۔“

”تم کوئی بھی ہو نکل جاؤ یہاں سے ورنہ دھکے مار کر نکال دوں گا۔“ خان وجاہت دہاڑا۔

”میری موجودگی میں بھی۔“ فریدی استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

ڈی آئی جی بالکل خاموش تھا۔

خان وجاہت انسپکٹر مائیکل کی طرف گھونسہ تان کر بڑھا۔

”ہوش میں آؤ۔“ فریدی انکے درمیان آتا ہوا غرایا۔ ”مجھے علم ہے کہ تم بہت طاقتور ہو۔“

”اچھا تو پہلے تم ہی لو۔“ خان وجاہت نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ لیکن وہی ہاتھ پل بھر میں فریدی کی گرفت میں تھا۔ وجاہت نے بائیں ہاتھ کو کام میں لانا چاہا لیکن وہ بھی فوری طور پر پکڑ لیا گیا۔ پھر شروع ہوئی زور آزمائی۔

"یہ کیسا ظلم ہے......؟" دفعتاً نوما بولی۔"ایک بڑے آفیسر کے سامنے ماتحت
جرأت......!"

"فریدی......!" ڈی آئی جی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"براہِ کرم فی الحال مداخلت نہ کیجئے۔ میرا خصوصی اجازت نامہ محفوظ ہے اور وہ
مواقع پر کام آتا ہے۔ خان وجاہت اگر تم نے جھٹکا دے کر اپنی کلائیاں چھڑانے کی کوشش
کلائی کی ہڈیوں کی ضمانت نہ دی جاسکے گی۔"

خان وجاہت کسی بپھرے ہوئے بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا۔ لیکن شاید اس نے بھی
محسوس کرلیا تھا کہ فریدی نے غلط نہیں کہا۔ اسی لئے اب جھٹکے سے کلائی چھڑا لینے کی کوشش
کردی تھی اور اُس پر پلا پڑ رہا تھا۔

دفعتاً فریدی ڈی آئی جی سے کچھ کہنے کے لئے اس کی طرف مڑا۔ ساتھ ہی نوما پر بھی
پڑی جس نے پستول نکال لیا تھا۔

"ہاتھ اٹھاؤ سب......!" تیز سیٹی کی سی آواز میں چیخی تھی اور فریدی نے بڑی پھرتی
خان وجاہت کو پستول کی زد پر موڑ دیا تھا۔

"چھوڑ دو اسے ورنہ فائر کردوں گی۔"

"خاموش رہو میری توہین نہ کرو۔" خان وجاہت غرایا۔

"نوما! پستول زمین پر ڈال دو۔" انسپکٹر مائیکل کی آواز تھی۔

"اچھا تو پہلے تم ہی سہی۔" نوما کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی فریدی نے خان وجاہت
دھکا دیا۔ فائر کی آواز ہوئی اور خان وجاہت کراہا۔

فریدی نے اُسے اس طرح دھکیلا تھا کہ وہ نوما اور مائیکل کے درمیان آ گیا تھا۔
وقت نوما نے مائیکل پر فائر بھی جھونک مارا تھا۔ لیکن اسے دوسرے فائر کی مہلت نہ ملی کیونکہ
کے بعد فریدی اس کی طرف جھپٹا تھا۔ نوما نے خان وجاہت کو لڑکھڑاتے دیکھا تھا۔ ٹھٹکی تھی
پھر اس کا پستول فریدی کے ہاتھ میں نظر آیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اس کا پستول سنبھالا

اور دوسرے ہاتھ سے بازو پکڑ کر اُسے مائیکل کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔"لو اسے سنبھالو۔"

مائیکل نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑتے ہوئے دو تین جھٹکے دیئے اور وہ چوٹ کھائی ہوئی کتیا کی طرح بلبلانے لگی۔

خان وجاہت کے بائیں شانے میں گولی لگی تھی۔

"حمید......!" فریدی بولا۔"خان وجاہت کو محکمے کی حوالات میں دیتا ہے۔"

"تم جو بھی کررہے ہو۔" ڈی آئی جی نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"خصوصی اجازت نامہ کا حوالہ دینے کے بعد ذمہ داری مجھ پر ہوتی ہے۔ بہرحال میں کچھ دیر بعد آپ کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔"

خان وجاہت نے پھر مزاحمت کرنی چاہی تھی لیکن فریدی نے بڑی سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ زخمی ہے اگر اسکے ہاتھوں سے بھی مزید زخم پہنچے تو اسے افسوس ہوگا۔

دوسری شام کو حمید فریدی کے مہمان خانے میں انسپکٹر مائیکل کے لئے کاک ٹیل بنا رہا تھا۔ مائیکل اور فریدی سگار سے شغل کررہے تھے اور صفورا مدہم سروں میں ایک گیت گا رہی تھی۔

حمید اسے یہاں لے آیا تھا لیکن اپنے بارے میں نہ جانے کیوں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خود بھی ایک آفیسر ہے۔ فریدی کو اپنے اس دوست پولیس آفیسر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ جس کے کہنے پر مبینہ طور پر انہوں نے نوما کا تعاقب کیا تھا۔

ابھی تک حمید کو یہ نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ آخر خان وجاہت کیوں حوالات میں دیا گیا ہے۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ وہ بھی نوما کے دھوکے میں آ گیا تھا۔ اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔

دفعتاً فریدی نے اردو میں کہا۔ ”برخوردار...... اب اپنی اس عنبر فام کو رخصت کیجئے۔“

حمید نے صفورا سے کہا۔ ”تم سانپ دیکھنا چاہتی تھیں۔ آؤ چلو میرے ساتھ۔“ حمید مز
عمارت کے اس حصے میں لایا جہاں سانپ تھے۔ راستے میں شریف مل گیا۔ اس نے صفورا
کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اس کے ساتھ جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ اور پھر
خانے کی طرف پلٹ آیا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس وقت مائیکل سے کسی اہم معاملے پر گ
کر رہا ہوگا۔ اسی لئے صفورا کو وہاں سے ہٹایا تھا۔ اس کا خیال غلط نہ نکلا۔ فریدی انسپکٹر ما
سے کہہ رہا تھا۔

”نوما یہاں خان وجاہت کی مدد سے اپنے کاروبار کو مزید وسعت دینا چاہتی تھی۔ ا
طرح دنیا میں ایک بالکل ہی نیا بین الاقوامی گروہ منشیات کی ناجائز تجارت کے لئے تشکی
پا جاتا۔ نوما اُس کی سربراہ ہوتی اور ہمارے ملک کی ناجائز تجارت کی سربراہی خان وجاہت ک
حصے میں آتی۔ یہاں کے جرائم پیشہ میرے بارے میں کبھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے
وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے راستے سے ہٹائے بغیر وہ کسی بڑے جرم کا ارتکاب نہ
کر سکتے۔ لہٰذا نوما کو مشورہ دیا گیا کہ کسی طرح مجھے الجھا دیا جائے تاکہ وہ اطمینان سے ب
آرگنائز کر سکیں۔ خان وجاہت کی موٹی عقل میں یہ تدبیر آئی کہ خود مجھے ہی کسی معاملے
ملوث کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی دانست میں مجھے اپنی برأت کی فکر ہوتی اور میں چار
طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے ہی الجھیڑوں میں پڑ جاتا۔ بہرحال نوما خود ہی میری طرف آئی
اور خان وجاہت نے رقابت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ کوئی چکر ہے
معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے میں بھی نوما کی طرف جھکتا چلا گیا۔ لیکن خان وجاہت
رقابت مجھے کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچنے دے رہی تھی۔ اچانک قدرت مہربان ہوئی مجھ پر اور
کالی لڑکی خود بخود عقدہ کشائی کا باعث بن گئی۔ میں نے تم سے رابطہ قائم کیا اور تم اس خوشی م
دوڑے چلے آئے کہ تمہیں پہلی بار نوما کے خلاف ایک واضح ترین ثبوت مل رہا ہے۔“

”میں تمہارا شکر گذار ہوں...... پیارے دوست۔“ مائیکل بولا۔ ”لیکن ہمیں اس کا ع

علم نہ تھا کہ نوما اتنی اذیت پسند بھی ہے۔ ہم تو اُس کے کالے کاروبار کے متعلق کوئی واضح قسم کا
ثبوت فراہم کرنے کی فکر میں رہے تھے۔“

”لیکن پھر وہ شاگو میں رلانے والی کے نام سے کیوں مشہور ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”بلاشبہ...... وہاں اس کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وجہ دوسری ہے۔ بھولے
بھالے نوجوانوں سے عشق کا ڈھونگ رچاتی ہے اور پھر کچھ دنوں کے بعد انہیں ٹھکرا دیتی ہے اور
وہ شراب خانوں میں بیٹھے نشہ کی حالت میں روتے دیکھے جاتے ہیں۔“

”خان وجاہت کے خلاف آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔

”وہ تو کسی صورت سے بچ ہی نہیں سکتا کیونکہ اُس نے یہاں کے پرانے جرائم پیشہ لوگوں
سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ انہیں منشیات کی ناجائز تجارت کے سائنٹیفک طریقوں پر لیکچر دیا
کرتا تھا۔ باقاعدہ کلاس لیتا تھا۔ حمید صاحب وہ سب میری گرفت میں آ گئے ہیں۔ چار دنوں
تک یہی سب کچھ تو کرتا رہا ہوں۔ خان وجاہت کو مطمئن کر دیا تھا میں نے کہ میں پوری طرح
اس کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اسی یقین دہانی کے لئے میں نے اس گاڑی کے ڈکے میں
انگلیوں کے نشانات چھوڑے تھے۔ وہ سمجھا شائد مجھ پر بھی رقابت سوار ہو گئی ہے۔ اسی لئے وہ
مجھے نوما کے ساتھ ملوث کرنے میں جلد بازی سے کام لے گیا۔ میرے غائب ہو جانے پر سمجھا
کہ میں شہر ہی سے چلا گیا ہوں کیونکہ اُس کی دانست میں فوری طور پر اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتا
تھا۔ بہرحال وہ میری طرف سے مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگ گیا اور میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔“

”مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے کر لیا۔“

”بیسویں صدی میں بیٹھ کر حیرت کا اظہار کر رہے ہو۔ ارے نوما کی تصویر اسی رات کو
لاسلکی کے ذریعہ شاگو کو بھجوا دی تھی اور دوسری صبح اسی ذریعے سے جواب وصول کر لیا تھا اور مائیکل
بائی ایئر پہنچے ہیں یہاں۔“

”آخری سوال...... سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ نے
اس رات میرا کمرہ باہر سے مقفل کیوں کر دیا تھا۔“

''میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ زبردستیوں وال
ڈرامہ اسٹیج کیا جائے گا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہیں تم کوئی حماقت نہ کر بیٹھو...... عقل مند بنے
کوشش نہ کر ڈالو...... کھیل بگڑ جاتا اور اس طرح۔''

''ہوں...... اُوں......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ایک بات اور ہے...... خیر...... پھر کسی
کبھی تنہائی میں پوچھ لوں گا۔''

مائیکل ہنسنے لگا۔ فریدی سگار سلگا رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 99

تصویر کا دشمن

(مکمل ناول)

پیش رس

یہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا 99واں ناول "تصویر کا دشمن" ہے۔ اس کہانی میں آپ بالکل نئے انداز کا سسپنس محسوس کریں گے۔ حیرت انگیز واقعات کے ساتھ شروع ہونے والی یہ کہانی اس طرح ختم ہوتی ہے کہ کیپٹن حمید پر تو حیرتوں کے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اس کے بعد انشاء اللہ جاسوسی دنیا کا آئرن جوبلی نمبر پیش کروں گا۔ اس سلسلے میں بے شمار تجاویز موصول ہوئی ہیں۔ ایک بات پر قریب قریب سبھی نے زور دیا ہے کہ اسے پچھلے "خاص الخاص" نمبروں کی طرح باتصویر نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہر پڑھنے والے کے ذہن میں کرداروں سے متعلق مختلف قسم کے تصورات ہیں لہٰذا تصاویر میں اُن سے مطابقت نہ دیکھ کر جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔

بات پتے کی ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ مجھے اس کا اندازہ اپنے ایک ریڈیائی ڈرامے کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ اس

ڈرامے میں سبھی چوٹی کا صدا کار تھے۔ لیکن سننے والوں کو اس لئے مزا نہ آیا کہ اُن کی آوازیں سننے والوں کی اپنی متصورہ آوازوں سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔

لہٰذا زیادہ سے زیادہ پیسہ خرچ کر کے بھی روسیاہی کون مول لے۔ پس اے عزیزانِ گرامی آئرن جوبلی نمبر میں تصاویر نہیں شائع ہوں گی۔

یہ بھی آپ ہی کی خواہشات کے احترام میں ہے..... دو چار حضرات جو اس نکتے سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے اس پر شور مچائیں، لیکن مجھے تو اکثریت ہی کا ساتھ دینا ہے۔

پچھلی کتاب کے پیشرس میں میں نے گذارش کی تھی کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے اور کچھ ملنے والوں کے لئے وقت کے تعین کا تذکرہ بھی تھا۔ اس پر بے شمار خطوط موصول ہوئے ہیں۔ کچھ خفا ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے میرے خیال کو سراہا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو روزانہ آ کر بڑی دیر تک پوچھتے رہتے ہیں کہ میں اوقاتِ کار کا بورڈ کب نصب کرا رہا ہوں۔

اللہ رحم کرے میرے حال پر۔

ابن صفی

۲۰/۰۴/۱۹۶۷

دھماکہ

دیکھنے والے صرف اتنا ہی دیکھ سکے کہ اس نے جھپٹا مارا..... اور یہ جا..... وہ جا..... انسپکٹر آصف کی بدبختی ہی سمجھئے یہ واردات اسی دوکان پر ہوئی جس کی نگرانی وہ خود کر رہا تھا۔

ویسے اس نے پھرتی تو بہت دکھائی تھی۔ موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تھی اور اس کا پیچھا کیا تھا۔ پیدل بھاگنے والے کا تعاقب موٹر سائیکل پر ..... بظاہر بات مضحکہ خیز تھی لیکن وہ بے چارہ کرتا بھی کیا۔ بھاگنے والا ایسا ہی تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی پٹرول کی ہی مدد سے بھاگا ہو۔ اپنے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر.....!

انسپکٹر آصف خود ہی اس کیس کا انچارج بھی تھا۔ اس لئے اُسے تو جان تک کی بازی لگا دینی پڑی۔

چاروں طرف پولیس کی سیٹیاں بج رہی تھیں اور اسی سڑک پر ایک پٹرول کار بھی حرکت میں آ گئی تھی۔

سڑک پر ٹریفک بھی تھا اور فٹ پاتھوں پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ بھی بھاگنے والے نے

جیسے ہی محسوس کیا کہ پٹرول کار قریب آ گئی ہے وہ تیزی سے ایک گلی میں مڑ گیا۔ پٹرول کار آگے نکل چلی گئی۔ پھر جتنی دیر میں یوٹرن لے کر اس گلی میں داخل ہوتی وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

بہر حال آصف تو موٹر سائیکل ہی پر تھا۔ لیکن وہ گلی میں تیز رفتاری نہ دکھا سکا اور پھر جتنی دیر میں وہ سڑک پر پہنچتا، بھاگنے والا راہگیروں کی بھیڑ میں مل کر گویا ناپید ہو چکا تھا۔

آدھے گھنٹے تک آس پاس کے علاقوں میں ہنگامہ برپا رہا۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کسی نہ کسی سڑک پر روزانہ ہی اس کا ''ظہور'' ہوتا تھا۔ بس وہ کسی بک سٹال پر جھپٹ پڑتا۔ ایک کتاب اٹھاتا اور اسے چیرتا پھاڑتا ہوا دوڑتا چلا جاتا۔ ابھی تک تو اسے کوئی پکڑ نہیں سکا تھا۔

ایسی افراتفری مچتی کہ بعض اوقات ٹریفک کے حادثات ہو جاتے۔ لوگوں کی جیبیں صاف ہو جاتیں اور بعض دوکانوں سے قیمتی اشیاء اٹھالی جاتیں۔ لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ کوئی دیوانہ ہے، لیکن قانون کے محافظوں کی دور رس نگاہیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ محکمہ پولیس کے ذمہ داران کا خیال تھا کہ وہ کوئی بڑا گروہ ہے جس میں ہر فن کے پیشہ ور قانون شکن شامل ہیں۔ افراتفری سے فائدہ اٹھا کر وہ جیب تراشیاں اور بڑی بڑی چوریاں کرتے ہیں۔

پھر جہاں اس قسم کے سائنٹیفک انداز کے جرائم کی بو پھیل رہی ہو۔ محکمہ سراغ رسانی کیسے نچلا بیٹھ سکتا ہے۔

اس بار قرعہ فال انسپکٹر آصف کے نام نکلا تھا اور انسپکٹر آصف نے وہ اُدھم مچایا کہ خدا کی پناہ۔ نہ صرف سفید پوش سپاہی سارے شہر میں بکھیرا دیئے تھے بلکہ سول پولیس والوں کا بھی ناک میں دم آ گیا تھا۔ وہ جہاں بھی بیٹھتے انسپکٹر آصف کی سات پشتوں کو نواز کر رکھ دیتے۔ ایسے توصیفی کلمات ایجاد کرتے کہ گوش فلک نے بھی نہ سنے ہوں۔

قریب قریب پندرہ دن سے یہ ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن ابھی تک تو اس گروہ کا ایک چوہا بھی

ہاتھ نہ لگا تھا اور تو اور وہی نہ پکڑا جاسکا جو بھرے بازار میں کسی نہ کسی کتب فروش کے کاؤنٹر پر چیل کی طرح جھپٹا مارتا اور اڑنچھو ہو جاتا۔

اور آج تو خود آصف ہی کو اُس سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ صاف نکل گیا۔

آصف پر گویا دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ اس کے غائب ہو جانے کے باوجود بھی موٹر سائیکل کا پٹرول پھونکتا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنے شکار کے جسم کا ایک ایک ریشہ چاروں طرف سے چھنتا پھر رہا ہو۔

پھر ایک جگہ اس نے موٹر سائیکل روکی اور سگریٹ کے لئے جیبیں ٹٹولنے لگا۔ سگریٹ شائد ختم ہی ہوگئے تھے۔ موٹر سائیکل کو فٹ پاتھ سے لگا کر وہ ایک سگریٹ فروش کے خوانچے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ سگریٹ خریدے اور ایک نکال کر ہونٹوں میں دبایا ہی تھا کہ بائیں جانب سے دیا سلائی کا شعلہ سگریٹ کی طرف بڑھا۔

فطری ردعمل کے مطابق پہلے سگریٹ سلگانا ہی چاہئے تھا۔ اس کے بعد اس نے دیا سلائی پیش کرنے والے کی طرف نظر اٹھائی اور کباب ہوگیا۔

کیپٹن حمید اپنی تمام تر سنجیدگی سمیت مؤدب کھڑا تھا۔

”کیا مطلب....؟“ آصف کی زبان سے جھلاہٹ میں بے ساختہ صرف یہی دو لفظ ادا ہوسکے۔

”میں اپنے کسی بھی بزرگ کو دیا سلائی نکالنے کا موقع نہیں دیتا۔ اگر کہیں آس پاس ہی خود بھی موجود ہوں۔“ حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

”میں اسے پسند نہیں کرتا۔“

”تب تو آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب عالی....!“

”تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو۔“ آصف پیر پٹخ کر بولا۔

”عجیب اتفاق ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ہر موڑ پر آپ سے مڈبھیڑ ہوئی ہے اور یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ آپ کے یہاں پہنچنے سے صرف تین سیکنڈ پہلے میں نے سوچا تھا کہ مجھے دیا سلائی خرید لینی چاہیے۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہر موڑ پر یہ اتفاق کیوں پیش آیا۔“

”یہ آپ کرنل ہارڈ اسٹون سے پوچھئے گا۔“

”کیا مطلب....؟“

”انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں ایسے ہنگاموں کا جائزہ لے کر انہیں مفصل رپورٹ پیش کروں۔“

”فریدی کو کیا سروکار اس سے۔“ آصف کسی بدمزاج کتے کی طرح غرایا۔

”اس کا تو آپ کو علم ہی ہوگا کہ ایک اسسٹنٹ صرف چڑی کا غلام.....مم مطلب یہ کہ صرف حکم کا غلام ہوتا ہے۔ اُسے کب حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی حکم کی وجہ بھی دریافت کر سکے.....اور.....!“

آصف جو بُرا سا منہ بنائے اُس کی بات سنتا رہا تھا بھنا کر بولا۔ ”کہہ دینا کہ میں اپنے معاملات میں دخل اندازی برداشت نہ کرسکوں گا۔“

”کیا دیا سلائی دکھانا دخل اندازی ہے۔“ حمید نے نہایت ادب سے پوچھا۔

”خاموش رہو۔“ آصف نے کہا اور اپنی موٹر سائیکل کی طرف مڑ گیا۔

پھر وہ موٹر سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ حمید آگے بڑھ کر بولا۔ ”کیا آپ میرے ساتھ چائے پینا پسند کریں گے آج سردی بڑھ گئی ہے۔“

”ضرور پیوں گا۔“ آصف غرایا۔ ”میں خود چاہتا تھا کہ کچھ باتیں تم دونوں کے گوش گذار کردوں۔“

”تو پھر آیئے.....کینٹین میں وہائٹ جیسمین پئیں گے۔“

کافے کینٹین اسی فٹ پاتھ سے ملحق اور قریب ہی تھا۔

آصف نے غصیلے انداز میں موٹر سائیکل کی سیٹ چھوڑی اور حمید کے ساتھ اس طرح چل پڑا کہ اُس سے ایک قدم آگے ہی رہے.....اس وقت اس پر ”سینیارٹی“ چھٹی پڑ رہی تھی۔

کینٹین میں ایک میز بھی خالی نہ دکھائی دی۔

''کیا مصیبت ہے!'' حمید بڑبڑایا۔ ''خالی جگہوں پر بنچیں ہی ڈلوا دی ہوتیں۔ خیر،
ہم..... یوکوہاما چلیں گے۔''

''نہیں! سان فرانسسکو.....!'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ''جو باتیں کہنا چاہتا ہوں
فٹ پاتھ پر کھڑے ہوکر بھی کہی جاسکتی ہیں۔''

''کم از کم چائے کی مٹھاس تو ہونی ہی چاہئے آپ کی باتیں سنتے وقت۔''

''تم کتنی ہی بکواس کیوں نہ کرو۔'' آصف واپسی کے لئے صدر دروازے کی طرف م
ہوا بولا۔ ''تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ بعض اوقات تم دونوں بے حد تکلیف دہ ہوجاتے ہو۔''

''میں پھر عرض کروں گا کہ صرف ایک ہی کو کہئے۔ آپ اسسٹنٹ کو کوئی الزام نہیں د
سکتے۔ وہ بے چارہ تو صرف احکامات بجالاتا ہے۔'' حمید بولا۔

اور وہ پھر فٹ پاتھ پر نظر آئے۔

آصف ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگانے لگا تھا۔

''نیاگرہ کیوں نہ چلیں۔'' حمید نے کہا۔

''دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ میں نیاگرہ جاؤں گا آپ کے ساتھ..... اس سردی میں۔''

''موٹر سائیکل یہیں چھوڑ دیجئے۔ گاڑی ہے میرے ساتھ۔''

''نہیں مجھے جو کچھ کہنا ہے یہیں کہوں گا۔''

''آخر آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں جب کہ میں آپ کا اتنا احترام کرتا ہوں۔''

دفعتاً آصف نرم لہجے میں بولا۔ ''یہی تو میں بھی اکثر سوچتا ہوں۔''

''آپ کو سوچنا ہی پڑے گا..... یا پھر مجھے میرا قصور بتا دیجئے۔''

''قصور.....!'' آصف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''قصور صرف یہ ہے کہ تم ایک بددما
اور مغرور آدمی کے ماتحت ہو اور تمہیں اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔''

''یہ میرا نہیں بلکہ میرے مقدر کا قصور ہے جناب۔''

''ہاں..... ہاں..... یہ بھی درست ہے کسی حد تک۔''

''تو آپ براہِ راست مجھ سے خفا نہیں ہیں؟''

''میرا یہی خیال ہے۔'' آصف نے کہا۔

''تو پھر میری دعوت رد نہ کیجئے۔ نیاگرہ میں بڑا عمدہ پروگرام ہے۔''

''خیر چلو.....!'' آصف ڈھیلی ڈھالی آواز میں بولا۔

پھر موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی گئی اور وہ نیاگرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمید فریدی کی لنکن ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ تھوڑی دیر بعد آصف بڑبڑایا۔ ''واقعی حیرت انگیز طور پر تیز
رفتار ہے۔''

''لنکن کا جواب نہیں ہے جناب۔'' حمید بولا۔

''میں گاڑی کی بات نہیں کر رہا..... اُس کا تذکرہ ہے جو کتابیں اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔''

''اوہ.....!''

''عجیب اتفاق ہے..... آج وہ اسی بک سٹال پر حملہ کر بیٹھا جس کے قریب میں بھی
موجود تھا۔''

''اچھا.....؟''

''چھلاوا ہے چھلاوا..... کتاب جھپٹی اور وہ گیا.....!''

''اور سنا ہے کہ اُسے چیر پھاڑ کر پھینک بھی دیتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ابھی تک کی رپورٹ تو یہی ہے۔''

''آپ نے تو آج بچشم خود دیکھا ہوگا۔''

''یہ کون دیکھ سکا تھا..... میں تو آج اُسے پکڑ ہی لینا چاہتا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ غیر متوقع طور پر سامنا ہوجانے کی بناء پر آپ نے بہت زیادہ جلد
بازی سے کام لیا ہوگا۔'' حمید بولا۔

''یہی سمجھ لو۔''

"آپ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ شائد وہ حمید کے اس جملے میں خلوص تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ وہ شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔

رات سرد اور تاریک تھی۔ کُہر کی ہلکی سی تہہ فضائے بسیط پر مسلط تھی اور سڑک سنسان۔

آصف نے پھر سگریٹ سلگائی اور ایک طویل کش لے کر دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔ "موٹر سائیکل پر تو واقعی شامت ہی آجاتی..... غضب کی سردی ہے۔"

"بٹیر و تیر کھایا کیجئے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اس عمر میں پرندوں کا گوشت صحت کے لئے مفید ہے۔"

"چلو بٹیر ہی کھاؤں گا۔"

"آپ میرے مہمان ہیں..... کچھ بھی کھایئے۔"

جواب میں آصف کی "ہوں" معنی خیز تھی۔

پھر نیاگرہ تک پہنچنے کے دوران میں کچھ نہیں بولے تھے۔ نیاگرہ حسب دستور پوری طرح آباد تھا۔ ڈائننگ ہال میں کھڑے ہو کر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ ہوٹل شہر سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔

"ہوں..... رک کیوں گئے؟" آصف نے حمید سے کہا، جو صدر دروازے کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔

"دیکھ رہا ہوں کوئی معقول سی میز۔"

"معیار کیا ہے آپ کی معقولیت کا۔" آصف نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"میز کے آس پاس جاندار اور متحرک نباتات ہونی چاہئے۔"

"بے ہودگی میرے ساتھ نہیں چلے گی۔"

"تو پھر آپ ہی منتخب کیجئے۔" حمید نے پھر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

آصف نے ایسی میز منتخب کی جو نہ صرف دور افتادہ تھی بلکہ حمید کے نکتہ نظر سے آس پاس کی "زرخیزی" سے بھی محروم تھی۔

پھر حمید نے کافی کا آرڈر دیا ہی تھا کہ آصف بول پڑا۔ "بٹیروں کی بات کرتے رہے تھے تم۔"

"نباتات کے بغیر بٹیریں۔" حمید مردہ سی آواز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

لیکن پھر اُسے کہنا ہی پڑا تھا۔

بٹیریں وہاں کی "خاص ڈش" سمجھی جاتی تھیں۔

آرڈر کی تعمیل ہوجانے کے بعد آصف نے حمید کو ایسی نظروں سے دیکھنا شروع کیا جیسے اب اس دعوت کا مقصد بھی معلوم کرنا چاہتا ہو۔

"کیسی ہیں بٹیریں.....؟" حمید نے پوچھا۔ "ہائیں آپ نے تو ابھی شروع ہی نہیں کیا۔"

"شروع کرنے سے پہلے مقصد معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"کاہے کا مقصد.....؟"

"اسی دعوت کا.....!"

"ارے..... آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ گفتگو تو کل پر بھی ٹل سکتی تھی۔"

"سچ کہتا ہوں جناب۔ آپ سے جیتنا بھی مشکل ہے اور ہارنا تو ایسا ہے جیسے.....!"

"بٹیریں ٹھنڈی ہو رہی ہیں۔" آصف بات کاٹ کر بولا۔ "کم سے کم الفاظ میں مقصد بیان کردو۔"

"میں متواتر چھ سات دنوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا ہوں یا اُس کے بارے میں رپورٹیں سُنا رہا ہوں؟"

"یہ کیا بکواس شروع کردی۔" آصف بگڑ کر بولا۔ "کیا اس کا خیال بھی نہیں رکھ سکتے کہ میں عمر میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔"

"اب تو یقیناً ٹھنڈی ہو جائیں گی بٹیریں۔" حمید بڑبڑایا۔ پھر اونچی آواز میں بولا۔

"کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک لڑکی نے سارا کھیل بگاڑا تھا۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو.....!" آصف نے ایک بٹیر کو فورک سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"خیر اگر آپ نے نہیں دیکھا تھا تو پھر اس تذکرے کی ضرورت ہی نہیں۔" حمید نے فورک سنبھالتے ہوئے کہا۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ کس لڑکی نے کون سا کھیل بگاڑا تھا۔"

"اب تو میں بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔" حمید نے بہ آواز بلند سوچا۔

"کیسی دشواری.....؟"

"جب آپ کو ایک بات کا احساس ہی نہ ہو سکا تھا تو پھر میں خواہ مخواہ یقین دہانی کے میں کیوں پڑوں.....؟"

"صاف صاف کہو.....!"

"وہ لڑکی جو موٹر سائیکل کے سامنے آئی تھی۔"

"کہاں.....؟ کب.....؟"

"یہ اس گلی کے موڑ کی بات ہے جہاں آپ نے اس دیوانے کا سراغ کھو دیا تھا۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" آصف نے فریدی کے سے انداز میں حمید کی آنکھوں دیکھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

حمید نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

"تب تو..... مجھے سوچنے دو۔" آصف نے پرتفکر انداز میں کہا اور خلاء میں گھورتا آہستہ سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ کوئی لڑکی ہی تھی..... اوہ میرے خدا۔"

"یہی نہیں..... بلکہ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ہمیشہ اسی لڑکی کی وجہ سے بچ نکلتا ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!"

"کھاتے رہئے..... ورنہ بٹیریں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ جی ہاں یہ میری عادت ہے۔

دلچسپ کیس میرے پاس باقاعدہ طور پر نہ آئے تب بھی اس میں میری دلچسپی برقرار رہتی ہے اور میں اس کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ پچھلے دنوں کی بات ہے میں نے انسپکٹر ملک کو ان کے کیس کے بارے میں ایسی ٹپ دی تھی کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے کھاتا رہا۔ کافی ختم کر چکنے کے بعد بھی اُس کے ہونٹ بھنچے رہے۔ غالباً وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "تم نے کتنی بار اس لڑکی کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔"

"تین بار.....!" حمید نے جواب دیا اور پائپ سلگانے لگا۔

"تم نے یقیناً اس کا تعاقب کیا ہوگا؟"

"دو بار..... آج تو میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔"

"فریدی سے بھی تذکرہ کیا ہوگا۔"

"یقیناً..... لیکن انہوں نے ذرہ برابر بھی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ آج کل وہ پھر لائبریری نشین رہے ہیں۔ آفس کے اوقات کے علاوہ اور سارا وقت کتب بینی میں صرف کر رہے ہیں۔"

"بہرحال تم باقاعدہ طور پر اس لڑکی کی ٹوہ میں رہے ہوگے۔"

"میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لڑکی غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے۔"

"ظاہر ہے..... ویسے میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کو اس کے حسن سے متاثر کرنے کی کوشش کروں۔"

آصف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید بھی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

دفعتاً وہ اچھل پڑا..... اس طرح چونکنے پر آصف دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ پھر اس کی نظروں کا تعاقب کرتی ہوئی اس کی نگاہ اس لڑکی تک بھی جا پہنچی۔

حمید اسے متحیرانہ انداز میں دیکھے جا رہا تھا۔

یہ لڑکی ابھی ابھی ہال میں داخل ہوئی تھی۔

آصف نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔ اب حمید آنکھوں میں وہی متحیرانہ تاثر لئے اُ(س)
کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیوں.....کیا بات ہے؟'' آصف نے پوچھا۔

''مجھے حیرت ہے۔''

''کس بات پر.....؟''

''کافی اور پیجئے۔''

''میں پوچھ رہا ہوں تمہیں کس بات پر حیرت ہے۔'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

''وہ بھی پہنچ گئی۔''

''کون.....؟''

''وہی لڑکی.....!''

''کیا بکتے ہو۔'' آصف نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب ایک خالی (میز)
کے قریب کھڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی کو بھی کسی کا انتظار ہو۔

دفعتاً حمید آہستہ سے بولا۔ ''اس طرح نہ دیکھئے اس کی طرف.....شائد ہمارا تعاقب
ہوئی یہاں تک آئی ہے۔''

آصف اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا جیسے مشورے کی معقولیت میں شبہ رہا ہو۔
سر جھکا کر بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا تھا۔

آصف کبھی کبھی کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھ لیتا۔ اب وہ تنہا نہیں تھی۔ متوسط
ایک قوی ہیکل آدمی بھی اس کی میز پر تھا۔

''بل ادا کر دو۔'' آصف نے حمید سے کہا۔

''کیوں.....کیا بیٹھیں گے نہیں؟'' حمید بولا۔

''جو کہہ رہا ہوں کرو۔ میں تمہارے اندیشے کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے کہہ کر طویل سانس لی اور بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ تصد(یق)

کر لیجئے۔ ہو سکتا ہے میں آپ کو گمراہ کر رہا ہوں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں صرف اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔''

''او کے.....!'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ
کیا۔ بل ادا کر کے وہ اٹھ گئے۔ باہر سردی بڑھ گئی تھی۔

آصف اس دوران میں دور ہی کھڑا رہا تھا۔ لیکن پارکنگ شیڈ سے جیسے ہی باہر آئی وہ
تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر حمید کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔ ''وہ بھی پارکنگ
شیڈ کی طرف آ رہے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی کو کمپاؤنڈ کے پھاٹک کی طرف لیتا چلا گیا۔

''تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟'' آصف نے کچھ دیر بعد کہا اور پھر مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

''کیا میں اس محاورے کی تشریح کروں؟'' حمید بولا۔

''میرا خیال ہے پیچھے آنے والی گاڑی میں وہی دونوں ہیں۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ورنہ آپ نہ جانیں کیا سوچیں۔''

آصف کچھ نہ بولا۔ راستہ طے ہوتا رہا۔ پشت پر صرف ایک گاڑی کے ہیڈ لیمپ نظر
آ رہے تھے۔ اس کے پیچھے دور دور تک اور کوئی گاڑی نہیں تھی۔

''تو تم اس لڑکی کے ٹھکانے سے واقف ہو گے۔'' آصف نے کہا۔

''ایک عمارت سے واقف ہوں لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ وہیں رہتی بھی ہو گی۔''

''دونوں بار وہ اسی عمارت میں گئی تھی۔''

''جی ہاں۔''

''تو پھر اس کے علاوہ اور کیا کہو گے وہ وہیں رہتی ہو گی۔''

''خدا جانے۔'' حمید نے بے دلی سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ اس موضوع پر
گفتگو نہ کرنا چاہتا ہو۔

شہر میں داخل ہو جانے کے بعد بھی وہ گاڑی اُن کے پیچھے لگی رہی اور ایک بار پھر آصف

نے اپنے شبہ کی تصدیق کرنی چاہی۔

اس کے لئے انہیں گاڑی روک کر آرلکچو میں داخل ہونا پڑا تھا اور اس بار آصف نے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے حمید سے کہا تھا۔

"تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

"میں تو ایسے بزرگوں کو ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔" حمید بولا۔

آصف صدر دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نیاگرا والی لڑکی یہاں دکھائی دی۔ بھاری بھرکم آدمی اس کے پیچھے تھا۔

آصف نے طویل سانس لی اور پُر معنی انداز میں سر ہلانے لگا۔

"اب کیا خیال ہے....!" حمید نے پوچھا۔

"یقین کرنا ہی پڑے گا۔" آصف پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "تو یہ مردود مجھے شیڈو کر رہے ہیں۔"

"میرے طرف سے اسے ٹپ ہی سمجھئے۔" حمید بولا۔ "اب آپ مجھے اپنے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہوا نہ پائیں گے۔"

"میں نے تمہاری حد تک کبھی بھی بُرے خیالات نہیں رکھے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"فریدی سے بھی کوئی ذاتی پرخاش نہیں.....بس اکڑ نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ مجھے۔"

"بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ماتحت کا تو مقدر ہی یہی ہے کہ ہر قسم کی اکڑ برداشت کرتا رہے۔"

پھر حمید نے شائد زبردستی ہی کافی زہر مار کی تھی۔ کافی ختم کر کے اُس نے کہا۔ "چلئے آپ کو موٹر سائیکل تک پہنچا دوں۔"

"ابھی ٹھہرو.....میں ان دونوں کی نگرانی کا انتظام تو کرا دوں۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔

"بہرحال اب میرا کام ختم ہو گیا.....آپ جانیں۔"

آصف کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں ان دنوں گاہکوں کے لئے الگ ٹیلی فون

بوتھ کا انتظام ہو گیا تھا جس کی کنجی کاؤنٹر کلرک کے پاس رہتی تھی۔ یہ تبدیلی انتظامی اُمور کے تحت حال ہی میں ہوئی تھی۔ ورنہ پہلے گاہک بھی کاؤنٹر ہی کا فون استعمال کر لیتے تھے۔

آصف کنجی لے کر بوتھ کی طرف چلا گیا۔

اپنے کسی ماتحت کو فون پر اُن دونوں کا حلیہ ذہن نشین کرانے کے بعد اُس نے کہا۔ "دس منٹ کے اندر اندر آرلکچو کے گیٹ پر پہنچ جاؤ۔ میں فریدی کی لنکن میں ہوں گا اور اُن دونوں کی گاڑی لنکن کا تعاقب کر رہی ہوگی۔"

ریسیور رکھ کر وہ باہر نکلا۔ بوتھ مقفل کر کے کنجی کاؤنٹر کلرک کے سپرد کی اور پھر میزوں کی طرف مڑا ہی تھا کہ حمید کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔

"کمال ہو گیا۔" قریب پہنچ کر وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "وہ دونوں تو چلے گئے لیکن ان کا وینٹی بیگ۔"

آصف کی نظر اُن دونوں کی میز کی طرف گئی۔ لڑکی کا سفید وینٹی بیگ رکھا دکھائی دیا اور قبل اس کے کہ وہ مڑ کر حمید سے کچھ کہتا.....ایک زور دار دھماکہ ہوا اور وینٹی بیگ کے پرزے اڑ گئے۔

آبلے

دھماکے کے ساتھ ہی کئی چیخیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ میزوں کے الٹنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ لیکن کسے ہوش تھا کہ وہ اُن کے الٹنے کے مناظر بھی دیکھتا۔ خود آصف کے اعصاب اس دھماکے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

لوگ چیخ رہے تھے۔ اٹھ اٹھ کر بھاگ رہے تھے اور دھوئیں کا حجم تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بھاگ بھی رہے تھے اور کھانس بھی رہے تھے۔

آصف کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے عمارت سے باہر نکلا تھا اور کس طرح حمید
اسے لنکن میں ٹھونس دیا تھا۔

گاڑی خاصی تیز رفتاری سے روانہ ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے تھپیڑوں نے اسے احساس
کہ وہ کسی نہ کسی طرح آرلچو کی عمارت سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔" اُس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں پوچھا۔

"وہیں جہاں آپ کی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔" حمید نے جواب دیا۔

"لیکن ہم وہاں سے کیوں چلے آئے۔"

"رک ہی کر کیا کرتے؟"

"پھر بھی موقع واردات سے اس طرح بھاگ نکلنا ہمارے لئے مناسب نہیں تھا۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کو وہیں خیال دلانا چاہئے تھا۔"

آصف کچھ نہ بولا۔

بالآخر لنکن وہیں آپہنچی جہاں موٹر سائیکل کھڑی کی گئی تھی۔

"میں سوچتا ہوں موٹر سائیکل کسی کے حوالے کر کے یہ رات تمہارے ہی ساتھ
دوں۔" آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"میرے ساتھ..... ارے جناب یہ رہیں مونچھیں..... یہ ڈاڑھی..... پینٹ اور جیکٹ
ہوں۔ شلوار اور جمپر میں نہیں۔"

"شٹ اپ.....!" آصف خفت آمیز لہجے میں غرایا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"اب تم جہاں بھی چلنا چاہو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔"

"بن گئی درگت.....!" حمید کراہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"ظاہر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھر جانے سے تو رہے۔"

"تمہاری راتیں زیادہ تر گھر سے باہر ہی گذرتی ہیں۔"

"آپ جیسوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔"

"کیا مطلب.....؟" آصف نے آنکھیں نکالیں۔

"مم..... مطلب یہ کہ..... بب..... بزرگوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔"

"آج یہی سہی۔" آصف سر ہلا کر مسکرایا اور حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

پھر آصف نے دوسری سڑک سے ایک سفید پوش کانسٹیبل کو بلا کر موٹر سائیکل اس کے
حوالے کی اور دوبارہ لنکن میں آبیٹھا۔

"چلو اب کہاں چلتے ہو۔" اُس نے حمید سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"تم نے سنا نہیں۔"

"بھلا میں آپ کو کہاں لے جاؤں۔"

"یہی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ محکمہ سراغ رسانی کے لائق آفیسر اپنی راتیں کہاں
گذارتے ہیں۔"

حمید کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ آصف اسے تیکھی نظروں
سے دیکھتا ہوا دوبارہ بولا۔ "کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔ میں تمہارے مشاغل میں خلل نہیں
ڈالوں گا۔"

"یہ بات نہیں..... آپ دراصل بوریت محسوس کریں گے۔"

"فکر نہ کرو..... چلو.....!" آصف اُس کے شانے پر تھپکی دے کر بولا۔

حمید نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتا رہا۔ خود اس
نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن آصف بولے جا رہا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کی اس حرکت کو کس خانے میں فٹ کروں۔"

"میں تو سب کچھ غسل خانے میں فٹ کرتا ہوں۔" حمید بول پڑا۔

"مضحکہ اڑا رہے ہو میرا۔"

"آپ سمجھے نہیں۔ غور و فکر کے لئے غسل خانے سے بہتر اور کوئی مقام نہیں۔"

آصف ناخوشگوار لہجے میں کچھ بڑبڑایا تھا جسے حمید نہ سن سکا۔

گاڑی پھر شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔

"اب کہاں جا رہے ہو۔" آصف نے چونک کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

"کیا تم اونگھ رہے ہو۔ میری بات کا جواب دو۔"

"سمجھ میں نہیں آتا..... آج کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"نیکی کرنے کی بجائے کنویں میں چھلانگ لگا دینا چاہئے۔"

"اخاہ..... تو مجھ پر کارگذاری کا رعب ڈالا جا رہا ہے۔"

"نہیں..... انکل ڈیئر..... میں تو اپنی قسمت کو رو رہا ہوں۔"

"میں پوچھ رہا ہوں تم جا کہاں رہے ہو۔"

"میں آج کل رات بھر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ چھ ماہ سے کوئی رات چھت کے نیچے نہیں گذاری۔"

"پھر بھی..... ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"وہ دیکھئے سامنے روشنی نظر آ رہی ہے..... وہی ہے میری منزل۔"

"اوہ..... ہے تو..... یہاں اس ویرانے میں..... یہ کیا بلا ہے!"

"بے فکروں کا کیمپ۔"

"کیا مطلب.....؟"

"بس دیکھ لیجئے گا۔"

گاڑی پختہ سڑک سے کچے میں اتر رہی تھی۔

آصف پھر بڑبڑانے لگا تھا۔ لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر اسٹیئرنگ کرتا رہا۔

پھر وہ ان خیموں کے درمیان جا پہنچے جہاں کئی پٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔ ایک جگہ بہت بڑا الاؤ جل رہا تھا جس میں لکڑی کے بڑے بڑے کندے چٹخ رہے تھے۔

کچھ لوگ الاؤ کے گرد کرسیاں ڈالے بیٹھے نظر آئے۔

وہ دونوں گاڑی سے نہیں اُترے تھے۔ آصف نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پُر معنی انداز میں پوچھا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"سب کنوارے ہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"میری باتوں کا جواب دیتے وقت محتاط رہا کرو۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔

حمید نیچے اُترنے کے لئے دروازے کا ہینڈل گھما رہا تھا۔

مجبوراً آصف کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے..... اپنا کیپٹن ہے۔" ان میں سے کسی نے بہ آواز بلند کہا۔

اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔

"کیپٹن..... ایک واردات ہو گئی ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔

"واردات کو جہنم میں جھونکو۔" دوسرا کسی قدر غصیلی آواز میں بولا۔ "یہ صاحب جو ان کے ساتھ آئے ہیں کنوارے نہیں معلوم ہوتے۔"

آصف نچلا ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

"کنوارے ہی ہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "کس قسم کی واردات ہوئی ہے؟"

"ایک شادی شدہ آدمی کی موجودگی میں ہم گفتگو نہیں کریں گے۔" وہی آدمی غرایا جس نے آصف کی موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" آصف حمید پر الٹ پڑا۔

"میں نے پہلے ہی آپ سے عرض کیا تھا کہ وہ جگہ آپ کے لئے مناسب نہ ہو گی۔ جہاں میں آج کل رات بسر کرتا ہوں۔"

"واپس چلو۔"

"میرا خیال ہے۔" حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ایک آدمی نے بیچ ہی سے اس کی بات اچک کر آصف سے کہا۔ "صاحب! آپ کی بیوی مرچکی ہو تب بھی ہم آپ کو برداشت کرلیں گے۔"

"کیا بیہودگی ہے۔" آصف حمید کو پھاڑ کھانے دوڑا۔

"یقیناً آپ کی بیوی زندہ ہے ورنہ آپ بھی ہماری ہی طرح ٹھنڈے دماغ والے ہوتے۔" ایک کنوارا بولا۔

"شٹ اپ.....!" آصف نے تن کر اُسے للکارا اور وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنس کر خاموش ہو رہا۔

اب وہ سب ہی خاموش کھڑے آصف کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔

"بعض حالات میں اصولوں سے انحراف بھی کیا جاسکتا ہے۔" حمید نے مخاطب کیا۔

"وہ کس قسم کے حالات ہوسکتے ہیں مسٹر کیپٹن.....؟" ایک نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"فرض کرلو..... میں صرف نام کا شوہر ہوں۔"

"یو ڈرٹی میٹ.....!" آصف دانت پیس کر بڑبڑایا۔

لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ "کچھ لوگ والدین کے ڈر سے شادی کرلیتے ہیں..... دل سے شوہر نہیں ہوتے۔"

"تم بکواس بند نہیں کرو گے۔" آصف نے حمید کی ٹائی پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"ارے صاحب! خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔" ان میں سے ایک نے آصف کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "ہم کیپٹن حمید کی خاطر آپ کو برداشت کرنے پر تیار ہیں۔"

پھر آصف نے سوچا کہ خواہ مخواہ نکو بننے سے فائدہ..... اُسے دماغ ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ ورنہ یہ لوگ اُسے چٹکیوں میں اڑا دیں گے۔ اُس نے حمید کی ٹائی چھوڑ کر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے الاؤ میں چٹختے ہوئے کندوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"صاحب..... غصہ بُری چیز ہے۔" ایک کنوارا کہہ رہا تھا۔ "لیکن شادی شدہ لوگوں کا طرہ امتیاز بن کر رہ جاتا ہے۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ وہ سگریٹ سلگا رہا تھا۔

پھر اُن لوگوں نے حمید کے بکرے کی خیریت دریافت کی اور یہ معلوم کرکے کہ وہ ان دنوں زکام میں مبتلا ہے اُسے تسلیاں دیتے رہے۔

"جوشاندہ ہرگز نہ پلانا۔" ایک بولا۔ "نزلہ خشک ہوجائے گا۔"

دوسرا بولا۔ "حکیم وحید کو دکھا دو۔ بکروں کی نفسیات کے بھی ماہر ہیں۔ ابھی حال میں ہی بکروں کی پرورش و پرداخت کے بارے میں ایک رسالہ بھی نکالا ہے۔"

"کس بے درد کا تذکرہ چھیڑ دیا تم نے۔" تیسرے نے کہا۔ "خمیرہ مروارید میں مروارید کے علاوہ اور سب کچھ ڈلواتے ہیں۔ البتہ پیکنگ شاندار ہوتا ہے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ تم بکرے کو بہتر سے بہتر لباس پہناؤ۔ اللہ نے چاہا تو نزلہ رفع ہوجائے گا اور قوم بھی تمہاری اس دانشمندی پر واہ واہ کرے گی۔"

"آپ کی کتیا کا کیا حال ہے؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"مارتھا نام ہے اُس کا۔" اُس نے بُرا مان کر کہا۔

"آئی ایم سوری..... محترمہ مارتھا کے مزاج کیسے ہیں۔"

"دن رات بھونکتی رہتی ہے۔ پتہ نہیں کیا دکھ ہے بے چاری کو۔"

"میں کہتا ہوں میرے آرتھر.....!" ایک نے کچھ کہنا چاہا لیکن 'مارتھا' والا بھڑک اٹھا۔

"بس خاموش۔ اس کتے کی بات نہ کیجئے۔"

"آرتھر نام ہے۔" وہ غرایا۔

"کیوں کیپٹن تم نے دیکھا ہے اُس خارش زدہ کتے کو جس کا نام انہوں نے آرتھر رکھا ہے۔"

"بس بس بہت ہوچکا۔"

"کیا کریں گے آپ۔" دوسرے نے نتھنے پھلائے۔

''اب کیا کتوں کے والدین لڑ پڑیں گے آپس میں۔'' آصف نے بے حد زہریلے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں..... آپ سے اپنے بچے نہیں پالے جاتے۔ ہم کتے پالتے ہیں اور انہیں بہترین تربیت دیتے ہیں۔ طنز نہ فرمایئے ہم پر.....!''

''حمید تم کتنی دیر ٹھہرو گے یہاں؟'' آصف غرایا۔

''ذرا ایک صاحب کی بلیوں کی خیریت بھی دریافت کرلوں۔'' حمید نے ایک خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آپ بھی آیئے۔''

خیمے میں پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ یہاں دو آدمی نظر آئے۔ لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ معمر آدمی سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

حمید نے بآنگ دہل ایک عدد ''سلام'' رسید کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔

''صاحب زادے کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' معمر آدمی نے سلام کا جواب دیئے بغیر نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کب.....؟'' حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

''بہت دنوں سے خراب تھا۔ مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔'' معمر آدمی نے جواب دیا۔

اس نے انہیں بیٹھنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ حمید نے خود ہی آصف کے لئے کینوس کی ایک فولڈنگ کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھئے۔''

معمر آدمی نے آصف کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ تو اس نوجوان کو اب بھی گھورے جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ اس پر برس پڑا۔

''عقل کے ناخن لو برخوردار..... محبت اپنی جگہ پر ایک ہمہ گیر جذبہ ہے۔ اگر تمہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ تم اس لڑکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تو یہ محبت ہرگز نہیں ہے بلکہ رقابت کا خوف ہے۔ کہیں کوئی اور نہ لے اڑے۔ اگر کوئی اور لے اڑا تو اس سے تمہاری انا کو ٹھیس لگے گی اور تم خودکشی کرلو گے۔''

''مجھے اس سے پاک محبت ہے۔'' نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ابھی تک محبت تھی۔ اب پاک بھی ہوگئی۔ تو کیا کوئی ناپاک محبت بھی ہوتی ہے۔''

نوجوان کچھ نہ بولا۔

''جواب دو۔'' بوڑھا غرا کر کھڑا ہوگیا۔

''ارے صاحب جانے دیجئے۔'' آصف جلدی سے بول پڑا۔ ''صاحب زادے ہیں آپ نے بھی اپنی عمر میں.....!''

''جی نہیں۔ اگر میں نے اپنی عمر میں کچھ کیا ہوتا تو یہ ''میرے'' صاحب زادے ہوتے۔ کیپٹن حمید پلیز..... کیا آپ کسی شادی شدہ آدمی کو ہمارے کیمپ میں لائے ہیں۔''

''بیوی مر چکی ہے۔'' حمید تڑ سے بولا۔

''شٹ اپ..... یو ایڈیٹ.....'' آصف کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

''خدا کی قسم یہ شخص شادی شدہ معلوم ہوتا ہے اور بیوی بھی زندہ ہے۔''

''خاموش رہو۔'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ''میں بے تکلفی کا عادی نہیں۔ ہوسکتا ہے تم کیپٹن حمید کے دوست ہو۔ لیکن میں تمہارے لئے اجنبی ہوں۔''

''بالکل شادی شدہ۔ میں شرط لگا سکتا ہوں۔'' بوڑھا سر ہلا کر بولا۔

''چلو یہاں سے۔'' آصف حمید کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا چیخا۔

پھر وہ اسے کھینچتا ہوا خیمے سے باہر نکال لایا۔

''کل ہی ان مردودوں سے سمجھ لوں گا۔'' وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہانپتا ہوا بولا۔

''دنیا کے مظلوم ترین لوگ ہیں جناب۔'' حمید نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''جرائم پیشہ معلوم ہوتے ہیں۔ کل ہی سے نگرانی شروع کراتا ہوں ان کی۔''

''کیا ہاتھ آئے گا۔''

''کس کی اجازت سے انہوں نے کیمپنگ کی ہے؟''

''وہ اپنی زمین پر جو کچھ چاہیں کر سکتے ہیں۔ کیا آپ نے نواب مشرف کو پہچانا نہیں۔''

"نواب مشرف۔"

"ہاں.....شہر کا سب سے بڑا کنوارا۔"

"تو وہ بوڑھا نواب مشرف تھا۔"

"جی ہاں۔"

"یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے اس نے۔"

"شہر کے نامی گرامی کنواروں کا کلب بنا ڈالا ہے۔ان میں کوئی بھی معمولی حیثیت کا نہیں ہے۔"

"تم مجھے یہاں اُلو بنانے لائے تھے۔"

"کس طرح یقین دلاؤں کہ میں آج کل یہیں رات بسر کرتا ہوں۔"

"تمہارے قبلہ وکعبہ بھی تو نامی گرامی کنواروں میں سے ہیں۔وہ نہیں تشریف رکھتے یہاں۔"

"وہ شخص تو ہر معاملے میں عدیم المثال ہے۔ خیر چھوڑیئے۔ اب میں آپ کو بے حد دلچسپ جگہ پر لے چلوں گا۔"

"نہیں.....مجھے گھر پہنچا دو۔!" آصف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"یہی کمزوری ہے ازدواجی کی.....!"

"بکواس کرو گے مجھ سے۔"

"مجھے تسلیم کہ آپ میرے بزرگ ہیں۔سینئر بھی ہیں۔لیکن میری طرح قلندری نہیں کرسکتے۔ میں تو کہتا ہوں بیوی بچوں کو ماریئے گولی۔"

"کبھی اپنے باپ سے بھی یہی کہو۔"

"کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مرد بنیئے۔ والدہ محترمہ کی سلواتیں کان دبا کر نہ سنا کیجئے۔لیکن سر میں جوئیں ہوں تو ایک آدھ کان پر بھی رینگے۔"

"یہ کدھر موڑ رہے ہو گاڑی.....میں گھر جاؤں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے.....اب تو میں آپ کو خوش کردوں گا۔"

"نہیں نہیں.....میرے چھوٹے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"چھوٹے بچے کو بھی ماریئے گولی۔ کیا وہ بڑا ہو کر جورو کا غلام نہ کہلائے گا۔"

"کیا تم میرے ہاتھوں پٹنا چاہتے ہو۔"

"دس جوتے مار لیجئے۔لیکن اب تو بیوی بچوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔"

"شٹ اپ.....!"

"آپ جیسے سنجیدہ اور باوقار آدمیوں کو بیوی بچے بالکل سوٹ نہیں کرتے۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ انسپکٹر آصف آف سنٹرل انٹیلی جنس کسی چنے منے کے ابا کہلائیں۔لاحول ولاقوۃ!"

"اگر اب تم نے بکواس بند نہ کی تو.....!"

"میں آپ کے لئے ایک عدد محبوبہ بھی مہیا کرسکتا ہوں۔"

"حمید میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔" اس بار آصف نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصے کی جھلک تو موجود تھی لیکن یہ خواہش بھی اس سے مترشح ہوتی تھی کہ وہ اس قسم کی گفتگو کئے ہی جائے۔

"انگریزی فلموں کے سراغ رسانوں کو دیکھئے.....ایک ہاتھ میں بوتل ہے تو دوسرے میں کسی چھپکلی نما پرکٹی کا بازو.....موڈرن بنئے موڈرن.....انکل ڈیئر ورنہ زندگی محال ہوجائے گی۔"

"یعنی تمہاری طرح کلبوں اور ہوٹلوں میں ناچتا پھروں۔"

"میرے خدا.....؟" دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ "ہم آخر کیا کرتے پھر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کیا آپ اس دھماکے کو بھول گئے۔"

"نہیں.....مجھے یاد ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بھی تمہاری ہی شرارت تھی۔"

"میری شرارت.....؟"

"یقیناً.....کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے پہلے ہی سے کوئی ایسی لڑکی تیار کر رکھی ہو جو میری توجہ اپنی طرف مبذول کراسکے۔"

"بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔"

"کیونکہ یہ حیرت انگیز کیس تمہارے باس کے سپرد نہیں کیا گیا۔ لہٰذا تم مجھے غلط راہ پر ڈالنا چاہتے ہو۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "سچ پوچھئے تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ فوری طور پر نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔"

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" آصف نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"شائد میں فی الحال آپ کی غلط فہمی رفع نہ کرسکوں۔"

"لونڈے ہو..... یہ اندازِ گفتگو مجھے مطمئن نہیں کرسکتا۔"

"اچھا جناب.....!" حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

گاڑی شہری آبادی کے قریب ہوتی رہی۔

حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "انکل ڈیئر..... میں واقعی بڑا احمق ہوں۔ مجھے کیا ضرورت آپ سے تذکرہ کرنے کی۔"

"بات نہ بناؤ..... میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔"

"تو پھر میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔"

"ہاں.....!" آصف کی غراہٹ حمید کو بھی شائد گراں گذری تھی اور اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھے۔

حمید نے گاڑی دوسری طرف سڑک پر موڑ دی۔ سڑک سنسان تھی۔ دور دور تک ٹریفک کا پتہ نہیں تھا۔ یہ سڑک ایسی بستی سے گذرتی تھی جہاں متوسط طبقے کے لوگ آباد تھے۔

دفعتاً حمید نے عقب نما آئینے میں تیز قسم کی روشنی دیکھی اور اس کی آنکھیں چندھیا لگیں۔ گاڑی کی پوزیشن بھی ساتھ ہی تبدیل کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ پیچھے آنے والی اس رفتار گاڑی کو راستہ دینا چاہتا تھا جس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی نے عقب نما آئینے کے ذریعے کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کی تھی۔

گاڑی قریب سے گذر کر بالکل اس کے سامنے آگئی۔ لیکن بے خیالی میں اس کے

لگا رہا۔ اس نے ذرہ برابر بھی اُسے اہمیت نہیں دی تھی۔ لہٰذا اس سے بے خبر رہا کہ آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہوتی جارہی ہے۔ پھر ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جہاں خود اُسے ہارن دے کر اگلی گاڑی سے آگے نکل جانے کی ضرورت پیش آئی۔

اگلی گاڑی نے اپنی پوزیشن برقرار رکھتے ہوئے اُسے راستہ بھی دے دیا۔ حمید نے بڑی احتیاط سے اسٹیئرنگ گھمایا اور شائد صرف چھ انچ کے فاصلے سے آگے نکل جانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ آصف چیخ مار کر دھڑام سے اس پر آ گرا۔

اسٹیئرنگ پر ہاتھ بہکا اور گاڑی دائیں جانب کچے میں اتر کر ایک مکان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ بڑے سچے بریک لگے تھے۔

اس نے غیر شعوری طور پر انجن کا سوئچ آف کردیا۔

آصف ڈیش بورڈ سے سر ٹکائے بُری طرح کراہ رہا تھا۔ حمید نے گاڑی کے اندر روشنی کردی۔

"ارے مرا..... ارے مرا..... ہاسپٹل..... ہاسپٹل.....!" آصف نے بدستور سر جھکائے ہوئے چیخ کر کہا۔ اس چیخ سے تکلیف کی شدت صاف ظاہر ہورہی تھی۔

"کیا ہوا..... کیا بات ہے؟"

"آگ لگی ہوئی ہے..... پورے چہرے میں..... میں آنکھیں نہیں کھول سکتا۔"

"آخر ہوا کیا؟"

"چلو.....!" وہ بدستور سر جھکائے ہوئے چیخا۔

اور حمید نے اضطراری طور پر انجن اسٹارٹ کر کے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور اس کا بمپر سامنے والی دیوار سے ٹکرا ہی گیا۔ لیکن پھر بڑی پھرتی سے اس نے بریک لگائے تھے۔ ورنہ بمپر کے بعد باڈی ہی کی باری ہوتی۔

ریورس گیئر میں گاڑی کو ڈال کر وہ پھر سڑک تک آیا اور اب پھر گاڑی کا رخ شہر ہی کی طرف تھا۔

"ارے میرے خدا.....!" آصف کراہا۔ "آگ لگی ہوئی ہے۔" پھر وہ اپنے ذہن کو قابو

میں رکھنے سے عاری نظر آنے لگا تھا۔ جو کچھ منہ میں آ رہا تھا کہے جا رہا تھا۔ ذلیل کمینے.....تیری بدولت.....تیری بدولت..... ہائے شائد میں اپنی آنکھیں بھی کھو بیٹھا ہوں۔"

"آصف صاحب..... جناب مجھے بتائیے..... کک..... کیا بات ہے؟" حمید بوکھلا گیا۔

"جلد سے جلد..... ہاسپٹل..... ہائے.....!"

حمید نے رفتار بڑھائی۔ اب زیادہ تر سڑکیں قریب قریب سنسان ہی ہو چکی تھیں۔ اس لئے حمید کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لنکن فراٹے بھر رہی تھی۔

"اوہ..... کیا تم سچ مچ میری موت چاہتے ہو۔" آصف کچھ دیر بعد چیخا۔

"ہر امکانی کوشش کر رہا ہوں جناب۔" حمید نے کہا۔

"جلدی..... جلدی..... جلدی.....!"

"جادوئی اڑن قالین لاؤں آپ کے لئے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا..... ذلیل..... خاموش رہو۔"

"آصف صاحب بہت ہو چکا..... اب زبان کو قابو میں رکھئے۔"

آصف کی زبان سے پھر مغلظات کا طوفان امنڈ پڑا۔

حمید متحیر تھا۔ آصف کا اس حد تک جانا بھی غیر معمولی ہی بات تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی آواز ڈھیلی پڑتی گئی اور پھر وہ بالکل ہی خاموش ہو گیا۔

اور پھر سول ہسپتال پہنچ کر تو حمید کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔ آصف کا چہرہ چھوٹے بڑے آبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر مکمل بے ہوشی طاری تھی۔

ڈیڈی

کرنل فریدی کیپٹن حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کبھی اس کی طرف دیکھتا اور

کبھی اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر آنکھیں چرانے لگتا۔

"تم سے کس نے کہا تھا کہ آصف کے لئے اطلاعات فراہم کرو۔" بالآخر وہ گمبھیر آواز میں بولا۔

"کک..... کسی نے بھی نہیں۔"

"کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس کے معاملات میں دخل اندازی کرو۔"

"نہیں تو.....!"

"تو پھر.....؟"

"تم یہ سب کچھ کیوں کر گذرے۔"

"ب..... بس یونہی۔"

"لوگ کہہ رہے ہیں کہ آصف میری کسی سازش کے تحت اس حال کو پہنچا ہے۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ لوگوں سے ہمیں کیا سروکار..... اُن لوگوں کا داماد تو بننا نہیں ہے ہمیں کہ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"شٹ اپ.....!"

"او کے باس.....!" حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

فریدی کے چہرے پر درشتی کے آثار تھے۔ دوسری طرف منہ پھیر کر اُس نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا کسی خیال میں الجھ کر رہ گیا۔

آہستہ آہستہ درشتی کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے۔ حمید کنکھیوں سے اُسے دیکھتا رہا اور جب یقین ہو گیا کہ اب اس کا ذہن کسی اور معاملے میں الجھ گیا ہے تو اس نے زیرِ لب کچھ گنگناتے ہوئے اپنے پائپ میں تمباکو بھرنا شروع کیا۔

اور پھر جب وہ پائپ سلگا رہا تھا فریدی اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا آج تم آصف کو دیکھنے گئے تھے۔"

"نہیں..... ابھی نہیں جا سکا۔" حمید بولا۔

"چہرے کے آبلوں نے گہری نیلی رنگت اختیار کر لی ہے اور ایک آنکھ سے وہ قطعی نہیں
دیکھ سکتا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔"

"قصور.....!" فریدی اُسے گھور کر رہ گیا۔

"شہر میں کچھ غیر معمولی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ کیا میری تشویش غیر فطری تھی۔ میں نے
ان چیزوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیں جن کا علم آصف کو بھی نہیں تھا۔ پھر اگر
میں نے اُسے آگاہ کر دیا تو اس میں کیا برائی تھی۔"

"اگر ایک لڑکی بھی ان معلومات میں شامل نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ تم بڑی بے تعلقی
سے اپنی راہ لگتے۔"

"چلئے یہی سہی۔"

"تسلیم کرو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"اور کیا جانتے ہو اس کیس کے بارے میں؟" فریدی نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"لڑکی.....لڑکیاں.....لڑکیوں.....!"

"شٹ اپ.....!"

حمید نے شانوں کو جنبش دی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اس کیس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی مصنف
کی ایک کتاب کا مخصوص ایڈیشن بک اسٹالوں پر سے اٹھاتا پھر رہا ہے۔"

"نہیں.....!" حمید کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"صرف ایک کتاب..... مجھے حیرت ہے کہ آصف نے اس پر دھیان نہیں دیا۔"

"تو آپ پہلے ہی سے اس کیس میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

"تو پھر.....!"

"پچھلے دو دنوں سے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہے..... وہ بھی تمہاری وجہ سے..... نہ
تم اپنی ٹانگ اڑاتے اور نہ مجھے اپنی موجودہ مصروفیات ترک کرنی پڑتیں۔"

"تو وہ ایک کتاب ہے۔"

"ہاں..... جیرالڈ آرتھر کی کتاب "سلور بلٹ" کا پہلا ایڈیشن..... جس کے سرورق پر
ایک بوڑھی عورت کی تصویر ہے اور ایک لاش کی..... عورت کے ہاتھ میں پستول ہے۔"

"لیکن آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے کہ وہ ابھی تک صرف ایک ہی مصنف کی
کوئی مخصوص کتاب اٹھاتا آ رہا ہے۔"

"آنکھیں کھلی رکھ کر کام کیا جائے تو اہم ترین نکتے فوراً ہی سامنے آ جاتے ہیں۔ میں
نے ان سارے بک سیلرز سے رابطہ قائم کیا جن کے اسٹالوں پر واقعات پیش آئے تھے اور اس
نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایک کتاب اٹھائی جاتی رہی ہے۔"

فریدی نے میز کی ایک دراز سے ایک کتاب نکال کر حمید کے سامنے ڈال دی۔

"سلور بلٹ" جیرالڈ آرتھر کی تازہ ترین کتاب تھی۔ سرورق خوبصورت تھا۔ پیش منظر میں
ایک بوڑھی عورت کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور پس منظر میں ایک آدمی اوندھا
گرتا نظر آ رہا تھا۔ جس کے نیچے خون پھیلا ہوا تھا اور ایک دروازہ..... دروازے کے باہر کافی
فاصلے پر ایک دھندلا سا سایہ..... حمید اُسے یونہی بے خیالی میں دیکھتا رہا پھر ایک طرف سرکاتا ہوا
بولا۔ "گٹ اپ خاصا اچھا ہے۔"

"ابھی تک ایک بھی بک سیلر ایسا نہیں ملا جس نے اس کتاب کے علاوہ کسی اور کے
بارے میں اٹھایا جانا بتایا ہو۔"

"صرف ایک کاپی؟"

"ضروری نہیں..... ایک دوکان پر تلے اوپر دس کاپیاں رکھی ہوئی تھیں اور اس نے ساری
اٹھالے جانے کی کوشش کی تھی۔"

''اور آصف اس بات کو نظر انداز کر گیا تھا۔''

''جب کوئی خاص نظریہ قائم کرلیا جائے تو پھر اُسی سے متعلق تفاصیل پر نظر رہتی ہے۔ اور جانب خیال جاتا ہی نہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

ان وارداتوں سے متعلق عام نظریہ یہی تو ہے نا کہ چوروں اور گرہ کٹوں کا بہت بڑا اس حرکت کے سہارے اپنا کام کرجاتا ہے..... کتاب اٹھا کر بھاگنے والے کی وجہ سے افرا مچتی ہے اور لوگوں کی جیبیں کٹ جاتی ہیں۔ دوکانوں سے قیمتی اشیاء غائب ہوجاتی ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آصف بھی یہی نظریہ رکھتا ہے۔'' حمید بولا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے وا بات وہ غالباً گہری توجہ سے سن رہا تھا کیونکہ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ خود اُس کچھ نہیں کہا تھا۔ صرف ''ہوں..... ہوں'' کرتا جارہا تھا۔

پھر ریسیور رکھ کر اُس نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔

''وہ صرف اس تصویر کا رسیا معلوم ہوتا ہے۔''

''کون..... کس تصویر کا رسیا.....؟''

''کیا تم اونگھ رہے ہو.....!''

''نہیں تو۔''

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''ابھی ہم اس آدمی ہی کے متعلق تو گفتگو کر رہے تھے جو بک اسٹالوں سے کتابیں لے بھاگتا ہے۔''

''جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''یہ تصویر.....!'' فریدی نے کتاب کے سرورق کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک پڑا۔

''تازہ ترین اطلاع ہے کہ وہ صرف یہ تصویر پھاڑ لے جاتا ہے اور کتاب راستے ہی

کہیں پھینک دیتا ہے۔''

''میں یقین کرنے پر تیار نہیں۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اس کی وجہ بلند اقبال؟''

''آپ شروع سے تو اس کیس کو دیکھتے نہیں رہے۔ پھر وہ تفصیلات کہاں سے ہاتھ لگیں جن کی طرف آصف نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔''

''اپنے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔''

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ''پھر بھی کیا بات بنی اس تصویر میں کیا رکھا ہے۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔''

''آپ ہی دیکھیں گے۔''

''قطعی..... باضابطہ طور پر نہ دیکھ سکا تو نجی طور پر دیکھنا پڑے گا۔ شائد تم نے ساتھیوں کی چہ میگوئیاں نہیں سنیں۔''

''کیسی چہ میگوئیاں.....؟''

''سب کا یہی خیال ہے کہ آصف میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے اور خود آصف بھی یہی سوچ رہا ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ راکھ دان میں پائپ جلا ہوا تمباکو جھاڑ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔ ''لیکن یہ سب کچھ بے حد مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔''

''مضحکہ خیز کیوں؟''

''ہوٹل والا دھماکہ..... اور آصف کے ساتھ یہ حرکت..... کیا یہ غیر ضروری اور بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے خود بھی کئی بار یہی سوچا تھا۔ آخر دھماکہ کیوں؟ کیا مقصد تھا اس کا..... اور پھر آصف کے چہرے پر کوئی زہریلا مادہ پھینکا گیا۔ آخر کیوں؟ اگر وہ اتنے ہی

جیالے ہیں تو پھر فائر ہی کر دینے میں کیا دشواری تھی ان لوگوں کو..... سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے گولی بھی اسی آسانی کے ساتھ چلا سکتے تھے جس طرح زہریلا مادہ پھینکا گیا۔

''کیا سوچنے لگے؟'' دفعتاً فریدی بولا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ.....!''

فریدی سگار سلگانے لگا تھا۔ حمید اُسے بغور دیکھتا رہا۔ نظریں ملیں تو خشک لہجے میں بولا۔

''اس لڑکی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''آنکھیں ذرا کچھ اور بڑی ہوتیں تو غضب کی چیز تھی۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا۔'' فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیوں.....؟''

''بکواس مت کرو۔''

''کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟''

''تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔''

''اچھا صاحب۔ وہ لڑکی نہیں میدے کی بوری ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''شٹ اپ..... کمرے سے باہر نکل جاؤ۔''

حمید نے اب تک دماغ ٹھنڈا رکھا تھا لیکن فریدی کے لہجے نے اُسے بھی بھنا جانے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا نکل آیا کمرے سے باہر اور جب کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے باہر نکلا تو لنکن کی بجائے اس گاڑی کے اسٹیئرنگ پر ہاتھ تھے جس کے رنگ اور نمبر حسب ضرورت وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے تھے۔

ذہن میں کوئی خاص اسکیم نہیں تھی۔ ویسے سوچ کر یہی نکلا تھا کہ آج کچھ نہ کچھ کر گذرنا ہے۔ آصف کو پیش آنے والے حادثے کے بعد کی تیسری رات تھی اور اُس کے بعد سے اُس لڑکی کا سراغ نہیں ملا تھا۔ جن جگہوں پر حمید اُسے پہلے دیکھ چکا تھا وہاں پھر نہ دکھائی دی۔ لڑکی کے ساتھ جو آدمی حادثے والی رات کو نظر آیا تھا اس کا بھی کہیں پتہ نہ تھا۔

اس نے فریدی کو وہ مقامات بتا دیئے تھے جہاں جہاں وہ لڑکی دیکھی گئی تھی۔ اقامتی عمارت کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔ لیکن یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ سچ مچ وہیں رہتی بھی ہوگی۔ بس یونہی اندازہ تھا۔

بہرحال فریدی نے اس سلسلے میں کیا کیا تھا اس کا علم اُسے نہیں تھا۔ ویسے اس وقت کی گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ فریدی لڑکی کے معاملے میں کوئی واضح رائے نہیں رکھتا یا پھر کسی قسم کے شبہے میں مبتلا ہو۔

خود حمید کو بھی ان معاملات میں لڑکی کی موجودگی کچھ عجیب سی لگتی رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ پولیس کی راہ میں رکاوٹ بننے کے علاوہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے رہنے کی کوشش کرتی رہی ہو۔ حمید نے کئی بار محسوس کیا تھا جیسے لڑکی اس سے بھی باخبر ہو کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

ہوٹل والا دھماکہ اسی بات کا غماز تھا کہ وہ پولیس کو کسی قسم کی دھمکی دینا چاہتے تھے اور بس کیونکہ دھماکے کے بعد ہوٹل سے کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی تھی جس سے دھماکے کا کوئی مقصد سامنے آسکتا۔

آصف کے چہرے پر زہریلا مادہ پھینکے جانے کا مقصد بھی ظاہر تھا۔

دھمکی..... پولیس کو دھمکی۔

پھر کرنا کیا چاہئے۔ حمید کے ذہن کو یہ سوال بڑی دیر سے ڈس رہا تھا۔ اس لڑکی یا اس کے ساتھی کو کہاں تلاش کیا جائے۔

وہ دونوں اُسے یقینی طور پر پہچانتے تھے ورنہ اس کا تعاقب کیوں کرتے۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ پہلے ہی سے پہچانتے تھے یا آصف کی وساطت سے پہچانا تھا۔

اُسے وہ پچویشن یاد آئی جب آصف پر زہریلا مادہ پھینکا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ اس کے چہرے کو بھی داغدار بنا سکتا تھا۔ اتفاق ہی تو تھا کہ صرف آصف ہی کا چہرہ اس کی زد پر آیا۔

اتفاق..... اس نے طویل سانس لی اور اسی لفظ ''اتفاق'' کے تحت اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ

دیا اور ذہن کو آزاد چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''اتفاقات'' کے بے شمار وقوع پے در پے
آتے چلے گئے اور یادداشتوں کے اسی ریلے میں ایک سچویشن ذہن کی سطح پر چمک اٹھی۔

اب اس وقت اس کی بڑی اہمیت تھی..... ورنہ پہلے تو اس کا شمار ضمنیات میں ہی ہوا
ان دنوں جب وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا ایک رات اُس نے اُسے کسی سے فون پر
گفتگو کرتے سنا تھا۔

- کچھ ہی دیر پہلے اس رات بھی کتاب والا ہنگامہ ہو چکا تھا۔ حمید نے اُسے ان لوگوں کی
راہ روکتے بھی دیکھا تھا جنہوں نے اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

اس کے بعد وہ اس کا تعاقب کرتا ہوا مے پول تک گیا تھا۔ لڑکی اس رات تنہا ہی
اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر سے کسی کو فون کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ ہر رات نو بجے
پول میں ضرور ہوتی ہے۔

حمید نے سوچا اگر وہ ہر رات نو بجے مے پول میں موجود ہوتی ہے تو پھر اُسے وہیں
نہ دیکھا جائے۔

ابھی نو بجنے میں بیس منٹ باقی تھے..... دس منٹ میں وہ مے پول تک پہنچ سکتا تھا۔

اس نے اپنی کوٹ کی جیبیں ٹٹولیں..... اسپرنگ والا ریڈی میڈ میک اپ ایک جیب
موجود تھا۔

دو چھوٹے چھوٹے اسپرنگ تھے۔ جنہیں نتھنوں میں فٹ کر لینے سے نہ صرف نا
نوک اوپر اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ بھی اس طرح کھل جاتا تھا کہ سامنے کے د
دکھائی دینے لگتے تھے۔ اگر ایسے میں وہ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک بھی لگا لیتا
رات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے تک اُسے پہچان نہیں سکتے تھے۔

مے پول کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ دونوں اسپرنگ نتھنوں میں فکس کر لئے گئے اور
شکل حیرت انگیز طور پر تبدیل ہوگئی۔

پھر وہ مے پول کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

عجیب بات تھی کہ سب سے پہلے اسی لڑکی پر نظر پڑی..... وہ ایک میز پر تنہا تھی اور اس
کے قریب کی تین میزیں خالی تھیں۔ حمید نے ان میں سے ایک کو منتخب کیا اور اپنی نشست کی
پوزیشن کچھ ایسی رکھی کہ لڑکی کی پشت اسی کی طرف رہے۔

وہ خاموش بیٹھی تھی۔

حمید سوچنے لگا کہ وہ یا تو بہت دلیر ہے یا پھر خود کو کسی قسم کے شبہے سے بالاتر سمجھتی ہے۔
ورنہ اس دھماکے اور آصف کی درگت کے بعد اسی طرح آزادانہ مے پول میں نہ بیٹھ سکتی۔

وہ بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا..... پھر ٹھیک نو بج کر پانچ منٹ پر ایک آدمی لڑکی کی میز
کی جانب بڑھتا نظر آیا۔ یہ لنگڑا تھا..... دائیں بغل کے نیچے بیساکھی تھی۔ پوشش اور صحت کے
اعتبار سے کھاتا پیتا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

لڑکی نے اٹھ کر اُسے بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

''میں بہت تھک گیا ہوں.....!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مجھے اس پر اظہار افسوس کرنا چاہئے۔''

حمید نے لنگڑے کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے۔ جو دوسرے ہی لمحے میں غائب
ہوگئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔ ''اظہار افسوس کرنے والے تو بہت ہیں۔ تم تو بس مسکراتی
رہا کرو۔''

''کل سے ہم یہاں نہیں ملیں گے۔''

''کیوں.....؟''

''بس یونہی..... پاپا جلد جلد اپنی زندگی میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ دو ماہ سے زیادہ کسی
مکان میں نہیں رہتے۔''

''پاپا.....؟'' لنگڑے نے طویل سانس لی۔

''پاپا کے نام پر تم ہمیشہ بُرا سا منہ بناتے ہو۔''

''نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔''

"بالکل یہی ہے..... مجھے بتاؤ..... آخر تمہیں ان کا تذکرہ کیوں گوارہ نہیں۔"

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔"

"اگر وہ نہیں چاہتے کہ میں تم سے ملوں..... تو کیا.....؟"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو روحی۔"

"میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا اور تم کیا نکلے۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔" لنگڑا دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر رہ گیا۔

"سنجیدگی سے سنو۔" لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ورنہ کیا رکھا ہے..... اب تو یہ بیساکھی دن رات میرے ذہن میں کھٹ کھٹ کرتی رہتی ہے۔ دو ماہ پہلے ہم ملے تھے اور کیا سے کیا ہو گیا۔"

"روحی..... خدا کے لئے.....!" لنگڑے کی آواز بھرا گئی۔

"جذباتی بننے کی ضرورت نہیں۔" لڑکی کہتی رہی۔ "تم خود سوچو کبھی کوئی عورت تمہ سکتی ہے۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتی ہو۔ خدارا مجھے بتاؤ۔"

"میں کیا کہنا چاہتی ہوں..... تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"یعنی میں تمہارے پاپا کے دربار میں حاضری دیا کروں۔" اس بار اُس کے نرمی نہیں تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم اُن سے ملو۔"

"آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" یک بیک لڑکی جذباتی انداز میں بولی۔

حمید نے بائیں آنکھ دبا کر سر ہلایا۔

لنگڑے کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ کچھ خجالت تھی اور کچھ ایسے تاثرات فوری طور پر قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔" لڑکی پھر بولی۔

لنگڑا کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

لڑکی اب اس ویٹر سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی جو اس کی میز کے قریب ہاتھ باندھے جھکا کھڑا تھا۔

لنگڑے نے رومال نکال کر ایسے انداز میں آنکھیں خشک کیں جیسے یونہی بے وجہ ان میں نمی آ گئی ہو۔

ویٹر رخصت ہو گیا اور حمید کو اپنی میز اٹنڈ کرنے والوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ رات کا کھانا ابھی نہیں کھایا تھا لیکن کھانے کے لئے آرڈر پلیس کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پتہ نہیں وہ دونوں کب اٹھ جاتے اور وہ کھانا چھوڑ کر ان کے پیچھے نہ دوڑ سکتا۔ لہٰذا کافی اور سینڈوچ ہی پر قناعت کرنی پڑی۔ یہ چیز دوسری میز والوں کے آرڈر کی تعمیل ہونے سے پہلے ہی آ گئیں۔ ان دونوں کے لئے غالباً کھانا آ رہا تھا۔

حمید نے اپنے ویٹر کے توسط سے ایک پیکٹ سگریٹ بھی منگوالیا تھا۔ کیونکہ اس میک اپ میں وہ احتیاطاً پائپ نہیں استعمال کرنا چاہتا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے؟" لڑکی لنگڑے سے کہہ رہی تھی۔ "میں کیا بتاؤں جب بھی تمہارا سامنا ہوتا ہے میں اپنے اعصاب کو قابو میں نہیں رکھ سکتی۔"

"ٹھیک ہے..... میں کچھ نہ کہوں گا۔" لنگڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"لیکن تمہیں اداس بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔ اچھا ہنسو.....!"

لنگڑے کے ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"یوں نہیں۔" لڑکی بولی۔ "مجھے زندگی سے بھرپور مسکراہٹ چاہیے۔"

"زندگی.....!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"میں کہتی ہوں اب جلدی سے موڈ ٹھیک کر لو۔ ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔"

"میرا سر چکرا رہا ہے..... ذرا ٹھہرو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کتنے امراض لاحق ہیں تمہیں..... سوچتی ہوں تو خود پر غصہ آتا ہے۔ یہ کیا کریڑ ہوں۔ آج اگر میرے نصف درجن خواہش مندوں کو معلوم ہوجائے کہ میں نے ایک لنگڑ سے محبت کی ہے تو وہ میرا مضحکہ اڑا اڑا کر مجھے خودکشی پر مجبور کردیں۔"

"مجھے الزام نہ دو۔" لنگڑے نے کھسیا کر کہا۔ "تم خود ہی آئی تھیں میری طرف..... میں تو جرأت بھی نہ کرسکتا۔"

"میرا ذہن بھی عجیب ہے۔" لڑکی ہنس کر بولی۔ "پہلے میں تمہاری اس صلاحیت کی بہ بڑی قدر داں تھی کہ تم مرغ اچھا پکا سکتے ہو..... پھر یہ تصور پیدا ہوا کہ تم دنیا میں واحد شخص جسے مرغ اچھا پکانے کا سلیقہ ہے۔ پھر میں تم سے محبت کرنے لگی۔"

"ہاں..... ہاں..... میرا دعویٰ ہے۔" لنگڑا اکڑ کر بولا۔ "ساری دنیا میں مجھ سے بہتر اور کوئی نہیں پکا سکتا۔"

"غالباً..... بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا تم نے۔"

"ہاں..... مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔" لنگڑا طویل سانس لے کر بولا۔

"جب ہم پہلی بار ملے تھے تم اور تمہارے ڈیڈی بیگم نصیر کے یہاں مدعو تھے اور بیگم نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ مرغ میں اپنی نگرانی میں تیار کراؤں۔ مرغ تمہیں بے حد اچھا تھا۔ تم نے کھانے کی میز پر اس کی تعریف کی تھی اور بیگم نصیر نے ہمارا تعارف کرادیا تھا۔"

"کیا خیال ہے..... کیسا تھا وہ دن.....؟" لڑکی نے چہک کر پوچھا۔

"میرے لئے خوش نصیبی کا پیامبر تھا وہ دن۔ میں وہ لمحات کبھی نہ بھلا سکوں گا جب میرے پکائے ہوئے مرغ کی تعریف کر رہی تھیں۔"

"لیکن تم مجھے ترکیب نہیں بتاؤ گے۔"

"محض ترکیب سے کچھ نہیں ہوتا۔"

دفعتاً لڑکی اچھل کر بولی۔ "ارے ڈیڈی۔"

"کک..... کہاں.....؟" لنگڑا بھی بوکھلا گیا تھا اور حمید نے اُس کی بیساکھی گرتے

آواز بھی سنی تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور وہ سہمے ہوئے انداز میں کبھی لڑکی کی طرف دیکھتا اور کبھی صدر دروازہ کی طرف۔

جھگڑا

صدر دروازے میں ایک اچھے تن و توش کا بھاری بھرکم آدمی نظر آیا اور یہ آدمی جب کچھ اور قریب آیا تو حمید نے اُسے پہچان بھی لیا۔ یہ وہی تھا جو دھماکے والی رات کو اسی لڑکی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے لڑکی پر اس کی نظر اچانک پڑی ہو۔ وہ ٹھٹکا بھی تھا اور پھر تو تیر کی طرح آیا تھا ان دونوں کی میز کی طرف۔

لڑکی کھڑی ہوگئی تھی۔ نروس نظر آرہی تھی اور لنگڑا سر جھکائے بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"کیا یہ محض اتفاق ہے۔" دفعتاً وہ غرایا۔

"وہ..... وہ..... ڈیڈی..... یہ تو..... یہ تو..... یہ توقیر صاحب ہیں۔ بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔"

"کیوں ڈیڈی..... کیوں؟"

"باورچیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا قابل فخر بات ہے؟" اُسکے ڈیڈی کی آنکھیں نکل پڑیں۔

"باورچی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔ آپ بھول گئے۔ بیگم نصیر نے تعارف کرایا تھا۔ آپ تو شہر کے بڑے رئیسوں میں سے ہیں۔"

"اوہ.....!" وہ اُسے گھورتا رہا۔

"آپ ہمارے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔" لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اوہ..... اچھا..... اچھا.....!" اس نے کہا اور بیٹھ گیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے رویئے پر شرمندہ ہو۔

لنگڑا اب بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کے ڈیڈی نے کچھ دیر بعد کھنکار کر کہا۔

"مسٹر توقیر..... مجھے افسوس ہے۔ حافظہ کمزور ہے میرا۔ اب یاد آ رہا ہے کہ کہیں پہلے آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔"

"کک..... کوئی بات نہیں ہے جناب.....!" توقیر نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے۔"

"میں نے معاف کر دیا نا جناب۔" توقیر زبردستی ہنسا۔

اب وہ لڑکی سے بولا۔ "جہاں مجھے جانا تھا کسی وجہ سے نہیں جا سکا۔ گھر واپس آ معلوم ہوا کہ تم یہاں ملو گی۔"

"ہاں ڈیڈی..... میں یہاں اکثر بیٹھتی ہوں۔ آج توقیر صاحب نے مجھے بلا لیا۔ اب ان سے مرغ پکانے کی وہ ترکیب معلوم کر کے ہی رہوں گی۔"

"ضرور..... ضرور.....!" وہ اخلاقاً ہنس کر بولا۔

"یقیناً بتائی جا سکتی ہے ترکیب..... لیکن آپ اتنی مشقت برداشت نہ کر سکیں گی۔" توقیر بولا۔

"اچھا بھئی۔" آنے والا اٹھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں مطلع کرنا چاہتا تھا کہ میں شہر ہی ہوں لیکن رات گھر پر نہ گذار سکوں گا۔"

"جب آپ جا ہی نہیں سکے تو پھر رات گھر سے باہر کیوں گذاریں گے۔"

"ایک ضروری کام ہے۔ اچھا مسٹر توقیر اب اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہوگی۔"

وہ لنگڑے سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر لڑکی بولی۔ "آخر تم ڈیڈی سے کیوں نہیں چاہتے تھے۔"

"اب تو میں اسے اپنی بدنصیبی ہی سمجھوں گا کہ تمہارے ڈیڈی سے پہلے کیوں نہ ملا۔"

"کیوں.....؟"

"یہ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"تم نے پہلے بُرا کیوں سمجھا تھا۔"

"بیگم نصیر کے یہاں تعارف ہونے کے بعد سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس سے قبل کبھی اس طرح ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور بیگم نصیر کے یہاں تو میں نے ان کے بارے میں بہت بری رائے قائم کی تھی۔ اچھا تم ہی بتاؤ کتنا خشک لہجہ معلوم ہوتا ہے ان کا۔ چہرے پر کتنی سختی ہے۔ بیگم نصیر کے یہاں ہماری ملاقات صرف مصافحہ ہی تک محدود رہی تھی۔ بہرحال ایسے حالات میں اُن سے دوبارہ ملنے کا حوصلہ کیونکر ہوتا۔"

"خیر..... خیر..... چھوڑو..... اب تو تم نے دیکھ لیا۔"

"دیکھ لیا..... اور اب مطمئن ہوں۔"

"اب آیا کرو گے ہمارے گھر.....!"

"ضرور..... ضرور..... کہو تو وہیں ڈیرا ڈال دوں۔"

"توقیر.....!" لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔ "لیکن دوسروں کے سامنے یہ کبھی نہ ظاہر ہونے دینا کہ ہمارے درمیان دوستی سے زیادہ کوئی اور چیز موجود ہے۔"

"کیوں.....؟"

"تمہارا لنگڑا پن مجھے مضحکہ خیز بنا دے گا۔ وہ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ جو میرا دل نہیں جیت سکے۔"

حمید نے لنگڑے کے چہرے پر گہرا اضمحلال دیکھا۔

حمید سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے لنگڑے کو مخاطب کیا۔

"تم کچھ اداس سے نظر آ رہے ہو..... کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔"

''روحی.....! اکثر میں سوچتا ہوں کہیں تم خود ہی تو میرا مضحکہ نہیں اڑا رہیں۔''

''ایسا سوچنے کی وجہ؟''

''احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔ لنگڑے پن کی وجہ سے۔''

''اگر تم لنگڑے نہ ہوتے تو میں تم سے محبت بھی نہ کرتی۔ اگر تم میرے بعض طلب گا
کو دیکھو تو تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں۔''

''پھر تم نے انہیں کیوں مایوس کیا.....؟''

''میں صرف اسی سے محبت کر سکتی ہوں جو کسی نہ کسی طرح میرا محتاج بھی ہو۔ تا کہ اس پر رحم کر سکوں۔''

''تو تم رحم کر رہی ہو مجھ پر۔''

''یقیناً.....!''

''بڑی عجیب ہو تم۔ میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔''

''اس سے پہلے میں نے ایک ستر سالہ بوڑھے سے محبت کی تھی۔''

''کیوں جلا رہی ہو مجھے۔'' وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''یقین کرو.....لیکن اب وہ بالکل ہی اپاہج ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے چھوڑنا پڑا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اُسے گود میں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاسکوں''

''خدا کے لئے کبھی تو سنجیدہ ہوا کرو۔''

''جس کی قسم کہو کھا جاؤں..... میں نے اُسے اس لئے بھی چھوڑ دیا ہے کہ اب اس بینائی جواب دے گئی ہے اور وہ بہت زیادہ اونچا سننے لگا ہے۔ اب نہ وہ مجھے دیکھ سکتا ہے اور میری گنگناہٹ سن کر بل کھا سکتا ہے۔''

''بس اب ختم کرو یہ باتیں۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔''

''میں تمہیں اتنا دکھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا رحم بلبلا اٹھے۔''

''رحم ہی کرو مجھ پر اور خاموش ہو جاؤ۔''

اس دوران میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانا ختم کر کے کافی طلب کی تھی۔ ساتھ ہی حمید نے بھی دوبار کافی کے لئے کہا تھا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے توقیر سے کہا۔ ''چلتے ہو میرے گھر۔''

''گگ.....گھر.....یعنی کہ.....!''

''ہاں..... ہاں.....تم پریشان کیوں ہو گئے۔ ڈیڈی تو رات بھر ہوں گے ہی نہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ وہ شہر کے باہر گئے ہیں لیکن.....!''

''خیر.....خیر.....گھر تو دیکھو گے تم میرا۔''

''یقیناً.....ابھی چلیں گے.....لیکن گھر کے اندر اسی وقت داخل ہوں گا جب تمہارے ڈیڈی بھی موجود ہوں۔''

''چلو یونہی سہی.....تو اب ہمیں اٹھنا چاہئے۔''

''اتنی جلدی.....!'' لنگڑے کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''جیسی تمہاری مرضی۔''

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ حمید اپنا سر سہلا رہا تھا۔ لڑکی اُسے پسند آئی تھی۔ لیکن یہ کیا چکر تھا۔ اتنی دیر میں وہ بھول ہی گیا تھا کہ اس سے پہلے لڑکی کو کس روپ میں دیکھ چکا ہے۔

لڑکی بڑی دلکش تھی اور شوخی سے بھرے ہوئے انداز تکلم نے تو حمید کے ذہن پر خاصا اثر چھوڑا تھا۔ اس نے سوچا ''میں تمہاری ہمدردیاں حاصل کئے بغیر نہ رہوں گا..... تمہیں کچھ دن اس دل بے خانماں پر بھی رحم کھانا پڑے گا۔''

کچھ دیر بعد اُس نے پھر لڑکی کی آواز سنی.....وہ لنگڑے سے کہہ رہی تھی۔

''توقیر..... کیوں نہ ہم دور چلے جائیں..... اس دنیا سے دور..... جہاں ہمارا مضحکہ اڑانے والے نہ ہوں۔''

"ایک ٹانگ سے۔" توقیر نے ہنس کر پوچھا۔ لیکن حمید کو اس کی یہ ہنسی درد میں
ہوئی کراہ سی لگی تھی۔

"توقیر..... کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔"

"کیا سوچتی ہو۔"

"اگر بلی کا سر چیل کے سر سے مشابہ ہوتا تو بلی کیسی لگتی؟"

• توقیر کے چہرے پر کھسیاہٹ اور جھلے پن کا عجیب سا امتزاج نظر آیا۔ رومانی موڈ میں تھا لیکن لڑکی کے اس بے تکے جملے نے شائد اس کی اس ذہنی کیفیت درہم برہم کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد لڑکی پھر بولی۔

"اب تو یہ زندگی ہی تھکن معلوم ہونے لگی ہے۔"

"میں اب کچھ نہیں بولوں گا..... ورنہ تم پھر میرا مضحکہ اڑاؤ گی۔"

"مضحکہ.....!" لڑکی حیرت سے بولی۔ "نہیں تو..... میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔"

"تم نے یک بیک بلی اور چیل والی بات کیوں کہی تھی۔"

"اے بس وہ تو میرا ذہن ہی ایسا ہے۔ اب اسی وقت میں تمہارے لئے رحم کے جذ
سے بھرپور بھی ہوں اور یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اگر تمہاری ٹانگیں سرے سے ہوتی ہی نہیں تو
خاصی دلچسپ چیز ہوتے۔"

"دیکھو! مجھے تم سے محبت ہی سہی لیکن میں اتنی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

"ارے بُرا مان گئے..... نہیں نہیں نہیں..... مائی سویٹسٹ میں تو یونہی چھیڑ رہی تھی تمہیں
ہائے غصے میں بڑے پیارے لگتے ہو۔"

حمید نے محسوس کیا جیسے توقیر نے بچوں کی طرح منہ پھلا لیا ہو۔

"ہے ہے۔" لڑکی پھر بولی۔ "تمہاری آنکھیں بالکل بچوں کی سی ہیں۔ کتنی معصومیت ہے"

حمید نے محسوس کیا کہ لنگڑا شرما رہا ہے۔

"اب تو تمہیں چلنا ہی پڑے گا میرے ساتھ۔" لڑکی بولی۔

"کہاں.....؟"

"میرے گھر.....!"

"میں کہتا ہوں کہیں تمہارے ڈیڈی۔"

"پلیز..... شٹ اپ..... چلو اٹھو۔"

"م..... مطلب یہ کہ..... بل تو ادا کر دیں۔"

"تم ادا کرو گے؟"

"کیوں نہیں!"

"آج پھر جھگڑا کرو گے۔ کل کیا کہا تھا میں نے۔"

"مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ تم بل ادا کرو۔"

"خاموش رہو۔" لڑکی نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "پہلے میں نے تمہیں چاہا ہے تم نے نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتنا مردانہ وار چاہا ہے۔ لہٰذا تمہارا رول ایک عورت کا سا ہونا چاہئے۔"

"پاگل بنا دو گی تم مجھے۔" لنگڑا اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

لڑکی نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل مانگا تھا اور پھر خود ہی اس کی قیمت بھی ادا کی تھی۔ لنگڑا منہ ہی دیکھتا رہ گیا تھا۔

"اور تم میری گاڑی ہی میں چلو گے..... اپنی گاڑی واپس بھجوا دو۔" لڑکی نے کہا۔

"پھر میری واپسی کیسے ہو گی؟"

"میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔"

لنگڑا شائد سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

"کیا سوچنے لگے۔" روحی ٹھنک کر بولی۔

"م..... کچھ نہیں۔"

''تو چلو اٹھونا.....!''

''چلو.....!'' لنگڑے نے طویل سانس لے کر بیساکھی سنبھالی۔

حمید بھی اس دوران میں بل کی ادائیگی کر ہی چکا تھا۔ اس لئے تعاقب کرنے میں اُسے دشواری پیش نہ آئی۔

لڑکی نے لنگڑے کو سہارا دے کر اپنی ہی گاڑی میں اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا چکر ہو سکتا ہے۔ لڑکی آرلکچو والے دھماکے میں ملوث تھی۔ لہٰذا وہ محض تفریح کی خاطر اس طرح کھلے بندوں شہر میں نہ پھر سکتی۔

اگلی کار شہر کی مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی بالآخر موڈل کالونی والی سڑک سے آ لگی۔

موڈل کالونی پہنچ کر لڑکی نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی اور حمید اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ ویسے اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ واپسی میں وہ اُس عمارت کو پہچان لے گا جہاں کار روکی گئی تھی۔

ہوا بھی یہی..... کچھ دور آگے جا کر اُس نے یوٹرن لیا اور پھر ٹھیک اسی عمارت کے سامنے آ پہنچا۔ وہ کار اب بھی عمارت کے کمپاؤنڈ کے باہر موجود تھی۔ لیکن اس کا رخ اب شہر کی طرف تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا کہ کار خالی ہے یا کوئی اندر موجود ہے۔

وہ پھر اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ وہ عمارت معلوم ہو چکی تھی جہاں اب ان لوگوں کا قیام تھا۔ نگرانی کے لئے نقطۂ آغاز کا تعین ہو چکا تھا۔ اس لئے اب وہاں ٹھہر کر کیا کرتا۔

اپنی دھن میں شہر کی جانب رواں دواں تھا کہ برابر سے وہی کار جس کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا آگے نکلی چلی گئی۔

اس نے سوچا ممکن ہے روحی لنگڑے توقیر کو اپنی قیام گاہ دکھا دینے کے بعد اس کے گھر چھوڑنے جا رہی ہو لہٰذا ان توقیر صاحب کا جغرافیہ بھی کیوں نہ معلوم کر لیا جائے۔

اس نے اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور پھر دونوں گاڑیوں کے درمیان صرف پچاس

ن کا فاصلہ رہ گیا۔

سڑک سنسان تھی اس لئے تعاقب میں کوئی دشواری پیش آنے کا امکان نہیں تھا۔

شہر کے بڑے دولت مندوں میں کسی لنگڑے توقیر کی دریافت حمید کے لئے نئی تھی۔ اگر وہ واقعی دولت مند تھا تو اپاہج ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں اتنی پیاس نہ ہونی چاہئے تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے پہلے پہل کوئی عورت اس سے اتنی قریب آئی ہو۔ اس نے اس کی آنکھوں میں پیاس بھی دیکھی تھی اور ایسی معصومانہ چمک بھی جو کسی بچے ہی کی آنکھوں میں اس وقت نظر آ سکتی ہے جب کوئی مرغوب ترین چیز متوقع طور پر ہاتھ آ گئی ہو۔

وہ توقیر کے بارے میں سوچتا رہا۔ پتہ نہیں کیوں لڑکی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔

تعاقب جاری رہا۔ لیکن اگلی گاڑی کا رخ اب شہر کے کسی ایسے حصے کی طرف ہرگز نہیں تھا جہاں توقیر کی قیام گاہ کی موجودگی کا امکان ہوتا۔ اس سڑک کا اختتام ساحل پر ہوتا تھا۔

بالآخر اگلی کار ساحلی علاقے کے ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی تھی۔ پھر وہ گاڑی روکنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک شدید ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔

کار سے توقیر یا روحی کے بجائے اس کا ڈیڈی اترا تھا۔

حمید نے بریک لگائے اور انجن بند کر دیا۔ اس کی گاڑی اگلی کار سے دس بارہ گز پیچھے رکی تھی۔ روحی کا ڈیڈی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر ہوٹل میں چلا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

روحی توقیر کو یہ کہہ کر اپنے گھر لے گئی تھی کہ وہاں اس وقت سناٹا ہوگا اور اس کا ڈیڈی بھی اُسے یہی اطلاع دینے مے پول آیا تھا کہ وہ رات گھر سے باہر گذارے گا۔ لیکن حالات اس کے برعکس تھے۔ وہ ان دونوں کے وہاں پہنچنے تک گھر ہی پر موجود رہا تھا اور پھر جب وہ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے تھے تو گاڑی لے کر ادھر چلا آیا تھا۔ تو کیا توقیر وہاں ٹھہرے گا۔ روحی نے اُس کی کار بھی واپس بھجوا دی تھی۔

''ہونہہ توقیر.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا ''جہنم میں جائے۔''

اُسے تو ان دونوں سے غرض تھی۔ تو قیر کوئی درمیانی کردار تھا۔ قطعی غیر متعلق جس سے
محکمہ سراغ رسانی کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ گاڑی سے اُتر کر خود بھی ہوٹل میں چلا آیا..... متوسط درجے کے اس ہوٹل میں زیادہ تر
جہاز راں ہی نظر آتے تھے۔

روحی کا ڈیڈی کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکائے جھکائے کھڑا کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہہ رہا تھا۔

حمید نے سوچا کہ اُسے اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ وہ کہیں بیٹھ نہ
جائے۔ کئی میزیں خالی تھیں اور وہ اس پر قریب سے نظر رکھنا چاہتا تھا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ خواہ مخواہ کھڑے رہنے کے لئے کیا جواز پیدا کرے کہ اُس نے
اسے ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا۔ لیکن وہ خالی نہیں تھی۔ اس پر پہلے ہی سے تین جہاز راں
موجود تھے۔ انہوں نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا اور چوتھی کرسی اُسے پیش کی تھی۔

حمید اس کے قریب ہی کی ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ان کے درمیان تاش
کے کسی کھیل کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اور روحی کا ڈیڈی بھی اس گفتگو میں شامل ہو گیا تھا۔

حمید کو کاؤنٹر پر جا کر اپنا آرڈر پلیس کرنا پڑا۔ یہاں کا یہی دستور تھا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں اس کی میز پر لگا گیا۔

ان کی گفتگو آہستہ آہستہ پر جوش انداز اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ایک جو تن و توش میں ان
دونوں سے زیادہ تھا روحی کے ڈیڈی سے الجھ پڑا تھا۔ وہ دونوں کوشش کر رہے تھے کہ بات نہ
بڑھنے پائے لیکن قد آور جہاز راں بار بار روحی کے ڈیڈی کو للکار رہا تھا۔

حمید نے روحی کے ڈیڈی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ لیکن اُسے کوئی معنی نہ
پہنا سکا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے قد آور جہاز راں کا گریبان اُس کی گرفت میں تھا۔ دوسرے جہاز
راں کرسیوں سے اٹھ گئے۔ قد آور جہاز راں کا ہاتھ بھی اب روحی کے ڈیڈی کے کوٹ کے کالر پر
نظر آیا۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے گریبانوں پر زور صرف کرتے رہے۔

پورے ہال پر سناٹا طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زور آزمائی کا انجام وہاں کی
فضا کے لئے کوئی اہم ترین فیصلہ ثابت ہوگا۔ ویٹر جہاں تھے وہیں رک گئے تھے۔ لوگوں نے
اپنی مصروفیات ترک کر کے اس زور زمائی کی طرف متوجہ ہو جانا جیسے بے حد ضروری سمجھا ہو۔

اتنے میں بڑے ہال میں دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی ٹک ٹک ہر گوشے سے سنی
جا سکتی تھی۔

کاؤنٹر کلرک کے چہرے پر کچھ ایسی بدحواسی نظر آ رہی تھی جیسے وہ اچانک کسی طوفان میں
گھر گیا ہو۔ دفعتاً حمید نے دیکھا کہ قد آور جہاز راں اپنی نشست سے اکھڑ رہا ہے۔ پھر دیکھتے
ہی دیکھتے وہ میز پر اوندھا لیٹا نظر آیا۔ روحی کے ڈیڈی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی تھی۔

"بریوو.....!" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے۔

قد آور جہاز راں کا گریبان اب بھی اس کی گرفت میں تھا اور وہ خود میز پر اوندھا پڑا تھا۔
پھر دفعتاً اس طرح پڑے پڑے اُس نے میز الٹ دی لیکن اس مرحلے پر بھی روحی کا ڈیڈی بے
حد پھرتیلا ثابت ہوا۔

جہاز راں کی اس حرکت کا مقصد یہی تھا کہ وہ میز کے نیچے دب کر رہ جائے لیکن وہ اس
سے کئی گز دور کھڑا اُسے تحقیر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

جہاز راں نے الٹی ہوئی میز پر سے اٹھنے کی کوشش کی..... لیکن پہلی بار کامیاب نہ ہو سکا۔
اتنے بڑے ڈیل ڈول کو یکجا کرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔

اب ہال میں خاصا شور ہو رہا تھا۔ لوگ اونچی آوازوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہنس رہے
تھے اور آوازے کس رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دوسرے جہازیوں کو اُس جہازی سے
ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ رہی ہو۔ بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کی شکست پر مسرور ہوں۔

اچانک وہ اٹھا اور روحی کے ڈیڈی پر ٹوٹ پڑا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے دو جنگلی
بھینسے ایک دوسرے کو ٹکریں مار رہے ہوں۔

کاؤنٹر کلرک بدحواسی میں کاؤنٹر پر چڑھ کر شور مچا رہا تھا۔ کبھی "پولیس پولیس" کا نعرہ لگاتا

اور کبھی دونوں ہاتھوں سے رانیں پیٹنے لگتا۔

میزیں الٹ رہی تھیں۔ کرسیاں چڑچڑا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھیں۔ میزوں کے الٹنے پر ٹوٹنے والی کراکری کی جھنجھناہٹ بھی فضا میں گونجتی۔ حمید اپنی میز سے اٹھ کر قریبی دیوار سے جا لگا تھا۔

دفعتاً اس نے جہاز راں کو دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا۔ روحی کا ڈیڈی اس کے پیچھے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج وہ اس قد آور جہاز راں کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ حمید نے باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور روحی کے ڈیڈی کے پیچھے ہی پیچھے خود بھی باہر نکل آیا۔ خود باہر نکل آیا اور یہ دیکھ کر پیروں تلے کی زمین نکل گئی کہ بھگوڑا جہاز راں فرار ہونے کے لئے اسی کی گاڑی استعمال کر بیٹھا ہے۔

آس پاس روحی کے ڈیڈی کی گاڑی کے علاوہ اور کوئی گاڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر رہا ہے۔ حمید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتا ہوا اندر بیٹھ گیا۔

"کون ہے.....؟" روحی کا ڈیڈی غرایا۔

"جناب عالی.....آپ کا شکار میری گاڑی لے بھاگا ہے۔" حمید منمنایا۔

ناک میں اسپرنگ پھنسے ہونے کی وجہ سے آواز بھی کچھ ناک کے بل ہی نکلتی تھی۔

"تو جناب یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔" وہ غرایا۔

"پپ.....پھر.....!"

گاڑی حرکت میں آ چکی تھی اور غالباً وہ جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے حمید کی "پھر" کا جواب نہیں دیا تھا۔

فی الحال گاڑی اسی سمت جا رہی تھی جدھر جہاز راں گیا تھا۔

حمید خاموش بیٹھا رہا۔

"تو جناب.....کنجی اگنیشن ہی میں چھوڑ آئے تھے۔" اس نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں.....زندگی میں پہلی بار ایسی غلطی ہوئی ہے۔"

"جلدی میں.....!"

"جج.....جی ہاں۔"

"بھلا کس بات کی جلدی تھی۔" اُس نے گاڑی کو بائیں جانب کچے راستے پر اتارتے ہوئے کہا اور پھر گاڑی قریب کی بستی کی ایک گلی میں داخل ہو گئی۔

"جواب دو۔" وہ غرایا۔

"میں آپ سے گذارش کروں گا کہ مجھ پر خفا نہ ہوئیے.....میری گاڑی۔"

"جہنم میں گئی تمہاری گاڑی.....کیا میں اس کے لئے گرفتاری کا خطرہ مول لوں گا۔ اب تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔"

"اور میری گاڑی۔"

"خاموش رہو.....ورنہ دھکا دے کر نیچے اتار دوں گا اور تم اس وقت یہاں ٹیکسی یا رکشا بھی حاصل نہ کر سکو گے۔"

"اللہ میرے حال پر رحم کر۔" حمید بے بسی سے منمنایا۔

روحی کا ڈیڈی زہریلے انداز میں ہنس رہا تھا۔

"اب میں تمہیں اپنی جلد بازی کا ایک شاہکار دکھاؤں گا۔" اُس نے کچھ دیر بعد بڑے گھمبیر لہجے میں کہا۔

شاہکار

حمید اپنی گدی سہلانے لگا پھر بولا۔ "میں جناب کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جناب کا مطلب جناب ہی ہے۔"

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''کچھ دیر بعد سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال ذرا یہ دیکھتے رہو کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آرہی۔''

''بہت بہتر جناب۔'' حمید نے کہا اور بیک سکرین سے پیچھے دیکھنے لگا۔ گاڑی اونچے نیچے راستے پر ہلکورے لیتی آگے بڑھتی رہی۔ حمید کو افسوس ہو رہا تھا۔ اپنی اس غیر دانشمندانہ حرکت پر۔

• خواہ مخواہ بیٹھ گیا تھا اس کی گاڑی میں۔ ہوسکتا ہے شامت ہی نے آواز دی ہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر ایسی حرکتیں جو بے خیالی میں سرزد ہوئی ہوں اس کے لئے پریشانیوں کا باعث بن چکی تھیں۔

''اونہہ.....!'' اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور سوچا ''دیکھا جائے گا۔ کرنل ہارڈ اسٹون کی طرح کون احتیاط برتتا پھرے۔ ٹکراؤ.....اور فنا کردو یا فنا ہوجاؤ۔''

لیکن پھر خیال آیا کہیں یہ حماقت کرنل ہارڈ اسٹون کے لئے دشواریاں نہ پیدا کرے۔ ویسے ابھی تک فریدی نے اعتراف نہیں کیا تھا کہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے حوالے کردیا گیا ہے۔ وہ تو اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوا تھا کہ آصف نے سارا الزام اسی کے سر رکھ دیا تھا۔

بہرحال اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ لیکن اگر وہ کسی جال میں پھنس کر فریدی کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع نہ دے سکا تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آصف والا واقعہ ہوجانے کے بعد سے خود اُس نے ان لوگوں کا سراغ کھو دیا تھا۔ پھر فریدی ان تک کیسے پہنچ سکے گا۔

آصف کے واقعہ کے بعد انہوں نے اپنی رہائش گاہ بدل دی تھی۔ موڈل کالونی کی ایک عمارت میں قیام کیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ اونگھ رہا ہے۔ لٰہذا کئی بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھورنا پڑا۔

گاڑی اب تک اندھیری گلیوں میں گھستی پھر رہی تھی۔ شائد وہ شہر پہنچنے کے لئے نامانوس راستے اختیار کررہا تھا۔

بہرحال وہ بھٹکتے رہے۔

''کیا آپ استراحت فرمارہے ہیں جناب۔'' اگلی سیٹ سے روحی کا ڈیڈی غرایا۔

''نہیں جناب..... دیکھ رہا ہوں کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آرہی..... آپ ہی نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔''

''اچھا.....اچھا..... میں سمجھا تھا شائد سو گئے۔''

''نیند آئے گی ایسی صورت میں جب کہ میری گاڑی۔''

''گاڑی.....گاڑی.....امپالا تھی؟''

''نہیں..... آسٹن اڑتالیس موڈل۔''

''لاحول ولاقوۃ.....کھٹارے کے لئے اتنے بے چین ہو۔''

''خاندانی چیز ہے جناب۔ بڑی محنت سے مین ٹین کی گئی ہے۔ آپ دیکھتے تو ایسا نہ کہتے۔''

''خیر.....خیر..... مجھے کیا۔ میں تو تمہیں اپنی جلد بازی کا شاہکار دکھانا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیا چیز ہے جناب.....اشتیاق اتنا نہ بڑھایئے کہ میرا دم گھٹنے لگے۔''

''کیا تمہاری آواز کی منمناہٹ پیدائشی ہے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''مطلب صاف ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ عیب پیدائشی ہے یا کسی مرض کا نتیجہ۔''

''پیدائشی ہے۔'' حمید نے بہت زیادہ غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ناک میں یقیناً غدود ہوں گے۔''

''جہنم میں گئے تم اور تمہاری گاڑی..... مجھے یہیں اتار دو۔ میں پیدل چلا جاؤں گا۔''

''میری قوت کا اندازہ تو تمہیں ہو ہی گیا ہوگا؟'' نہایت سرد لہجے میں کہا گیا۔

اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں برقی رو سی دوڑ گئی۔ لیکن پھر بھی وہ جی کڑا کرکے بولا۔

''اچھا تو پھر.....؟''

''کچھ نہیں.....اسے ذہن میں رکھو گے تو آرام سے رہو گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

روحی کا ڈیڈی بھی اب خاموش ہو گیا تھا۔

کار بالآخر موڈل کالونی آ پہنچی..... لیکن اب جس عمارت کے سامنے رکی تھی وہ کوئی اور
تھی۔ وہ عمارت تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جہاں کچھ دیر پہلے روحی اور توقیر رُکے تھے۔

دفعتاً کار کے اندر روشنی ہو گئی اور روحی کا ڈیڈی مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

ایک پل کے لئے حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔" اُس نے کہا۔

"دیکھا ہو گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "میں اکثر اس ہوٹل میں بیٹھتا ہوں۔"

"خیر..... اُترو نیچے۔"

حمید گاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ وہ بھی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" اُس نے ایک جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں پیدل ہی چل پڑے۔ کار وہیں رہ گئی جہاں روکی گئی تھی۔

"تم سب کچھ خاموشی سے دیکھو گے۔" روحی کا ڈیڈی بولا۔

"کیا خاموشی سے دیکھوں گا۔"

"وہی جو کچھ نظر آئے۔"

"اگر مناظر نے مجھے کتوں کی طرح بھونکنے پر مجبور نہ کر دیا تو خاموشی ہی سے دیکھوں گا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"بعض مناظر مجھے کھوپڑی سے باہر کر دیتے ہیں۔"

"مثلاً.....!"

"مثلاً یہ کہ اگر میں کسی کو بریانی یا رائتہ کھاتے دیکھ لیتا ہوں تو بے اختیار یہی جی چاہتا
ہے کہ اس کے ایک چپت رسید کر کے پلیٹ چھین لوں۔"

"کیوں.....؟"

"صاحب وجہ تو آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ کوئی نفسیاتی گرہ ہو گی۔ مثال کے طور
پر لاشعور.....!"

"میں لاشعور کو نہیں مانتا۔"

"جناب یہ کوئی پیر یا فقیر نہیں ہے..... لاشعور ذہن کے اس حصے کو کہتے ہیں.....!"

"بس بس.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے نفسیات سے چڑھ ہے۔ کیونکہ اب ہر کس و
ناکس تھوڑی سی نفسیات پڑھ کر ماہر نفسیات ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔"

حمید نے سوچا ویسے بھی اسے زیادہ نہ بولنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات زبان سے
نکل جائے جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شبہ کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے وہ وقت تو آیا کہ وہ ان
ہنگامہ پروروں سے اتنا قریب ہو گیا ہے۔

پھر خاموشی سے چلتے ہوئے وہ اس عمارت تک آ پہنچے جسکے سامنے روحی نے کار روکی تھی۔

"ہم بہت آہستگی سے اندر داخل ہوں گے۔" روحی کا ڈیڈی چپکے سے بولا۔

"آپ مجھے کہاں لئے جا رہے ہیں؟"

"خاموشی سے میرے حکم کی تعمیل کرو۔ میں تمہیں اپنی جلد بازی کا نتیجہ ضرور دکھاؤں گا۔"

"میں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی۔"

"کوئی زبردستی ہے۔"

"میں اسی کا عادی ہوں کہ جو کچھ میری زبان سے نکلے ضرور پورا ہو۔"

"خداوندا کہیں میں کسی پاگل کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا ہوں۔"

"شٹ اپ..... جان سے مار دوں گا۔" روحی کا ڈیڈی غرایا۔

"بچ..... چلئے جناب.....!" حمید خوف سے لرزنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

پھاٹک سے گذر کر وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

"پنجوں کے بل چلو..... ذرا سی بھی آواز نہیں ہونی چاہئے۔" روحی کا ڈیڈی آہستہ سے بولا۔

حمید بے چوں و چرا وہی کرتا رہا جو کہا جا رہا تھا۔ وہ بیرونی برآمدے میں داخل ہو
روحی کے ڈیڈی نے ہینڈل گھما کر ایک دروازہ کھولا۔ اندر گہری تاریکی تھی۔

"میرے شانے پر ہاتھ رکھے چلے چلو۔" روحی کے ڈیڈی نے سرگوشی کی۔ حمید نے
دبا کر اس کے کہنے پر عمل کیا۔

روحی کا ڈیڈی بے آواز چل رہا تھا اور اس کے بائیں شانے پر حمید کا داہنا ہاتھ۔

"میں سگریٹ سلگا لوں۔ بہت دیر سے نہیں پیا۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایسی حماقتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لو۔"

"بند ہی سمجھو! اندھیرے میں کیا سجھائی دیتا ہے۔"

"ٹھہرو دیکھو! اب یہاں سے ہم زینوں پر چڑھیں گے۔ محتاط رہنا۔"

"یار کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔" حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"بس ذرا ہی سی دیر میں تم کافی سکون محسوس کرو گے۔"

زینے طے کر کے وہ ایک بالکنی میں پہنچے۔

شائد اس طرف ایک ہی لائین میں کئی کمرے تھے۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے روشن
نظر آئے۔

روحی کے ڈیڈی نے حمید کا ہاتھ دبایا جس کا مطلب شائد یہی تھا کہ اب اور زیادہ احتیاط
سے کام لیا جائے۔

پھر وہ اُسے وہیں روک کر آگے بڑھا اور روشن نظر آنے والی کھڑکی سے کمرے کے اندر
جھانکنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس کے اشارے ہی پر حمید کھڑکی کے قریب گیا تھا۔ کمرے کے اندر کا
منظر..... خدا کی پناہ۔

روحی کم سے کم کپڑوں میں تھی..... اس سے تھوڑے فاصلے پر توقیر بیساکھی کے سہارے
کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں۔ چہرہ سرخ تھا۔

"آؤ نا.....!" روحی ٹھنکی۔

وہ آگے بڑھا اور روحی ہنستی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے کا چکر کاٹ کر روحی پھر ایک
گوشے میں رک گئی۔ دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔

"آؤ نا.....!" روحی پھر ٹھنکی۔

توقیر ہانپ رہا تھا۔ وہ پھر آگے بڑھا۔ روحی بڑے پھرتیلے پن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
وہ بالکل اس کے قریب سے نکل جاتی اور وہ ہاتھ پھیلائے رہ جاتا۔

ایک بار ایسے ہی موقع پر اس نے بیساکھی کو ٹھوکر ماری اور بیساکھی توقیر کی بغل سے نکل
کر کچھ دور تک فرش پر پھسلتی چلی گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس بار حمید نے اس کے چہرے پر
شدید ترین جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی متشنج انگلیاں فرش کا پلاسٹر
اکھاڑ دیں گی۔ روحی دور کھڑی اٹھلا اٹھلا کر ہنس رہی تھی۔

"روحی.....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"آؤ نا.....!" اس بار روحی کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

وہ چند لمحے روحی کو گھورتا رہا پھر کسی بے بس کتے کی طرح اس کی طرف گھسٹنے لگا۔

جیسے ہی قریب پہنچا وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ نہ صرف پیچھے ہٹی بلکہ بیساکھی بھی اٹھاتی
لیتی چلی گئی۔

"روحی.....!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ لیکن روحی کا قہقہہ اس کی چیخ پر بھی بھاری پڑا تھا۔ وہ
فرش پر کہنیاں ٹکائے ہانپتا رہا۔

کچھ دیر بعد روحی پھر اس کے قریب آئی اور سرہانے بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ
فرش پر سر ڈالے پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"ارے..... تم رو رہے ہو۔ میری طرف دیکھو..... ہائے..... یہ آنسو..... توقیر.....
نہیں.....ان آنسوؤں کو اسی طرح پلکوں میں تھرتھرانے دو۔"

"روحی.....!" وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"نہیں..... میں اپنے ارادے میں اٹل ہوں۔ بیساکھی استعمال کئے بغیر مجھے پکڑلو تو....!"

"روحی.....!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا اور روحی پھر اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ حمید اس طرح بو کہ گرد و پیش کی خبر نہ رہی۔ خود اس کی سانس بھی پھولنے لگی تھی۔

دفعتاً روحی کے ڈیڈی نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور وہ اچھل پڑا۔

"آؤ چلیں.....!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "وہ ا اسی طرح تھکا تھکا کر بے حال کردے گی۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے اس موقع پر یا اس جملے پر کس طرح اظہار خیال کر چاہئے۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے ایک دور افتادہ گوشے میں آیا۔ روحی کے ڈ نے سوئچ دبا کر وہاں روشنی کردی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی فضا کسی تہہ خانے کی گھٹی گ فضا سے مشابہ تھی۔

"یہ تھا میری جلد بازی کا شاہکار.....!" اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"میری تو عقل ہی خبط ہوئی جارہی ہے جناب عالی..... یہ کیا اسرار ہے۔" حمید نے ا ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ.....!" روحی کے ڈیڈی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی اور جیب میں سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

"وہ میری لڑکی ہے.....اور میں نے کچھ ایسی جلدی میں اس کی تربیت کی ہے کہ اب میرے لئے ہی مصیبت بن گئی ہے۔"

"جناب اب تو آپ کی باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔" حمید نے کہا۔ " جلدی میں تربیت کیونکر ہوتی ہے۔"

"بس کیا بتاؤں۔ ایسے سمجھ لو میرا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے یہ رہا ہے جیسے میری ٹر چھوٹنے والی ہے..... ادھر آیا اُدھر گیا..... میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں دے سکا۔"

"اتنی ذرا سی بات بتانے کے لئے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔"

"تم اسے اتنی ذرا سی بات کہہ رہے ہو۔"

"پھر کیا کہوں.....؟"

"ارے وہ اس طرح کے کومپلکسز کی شکار ہوگئی ہے۔ اسے صرف لنگڑے پسند آتے ہیں۔ صرف لنگڑوں سے اس کی دوستی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ کسی لنگڑے ہی سے شادی کرنے پر نہ اڑ جائے۔"

"وہ لنگڑا کون تھا۔"

"اس کا دوست۔"

"آپ کس طرح برداشت کرتے ہیں یہ سب کچھ..... ایسا باپ بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"جوانی میں میں بھی بہت آوارہ تھا۔ اب کس منہ سے اُسے روکوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"عجیب و جیب کچھ بھی نہیں۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ ظاہر ہے جوانی میں جن نظریات کے تحت میں نے اپنی آوارگی کا جواز پیدا کیا تھا اُسی طرح کے کچھ نظریات وہ بھی رکھتی ہوگی۔"

"لیکن یہ رجحان..... خدا کی پناہ..... مجھ کو بے چارے لنگڑے پر رحم آرہا تھا۔ میں بھی نفسیات کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ لیکن آج تک کوئی ایسا کیس میری نظر سے نہیں گذرا۔"

"کیسا کیس.....؟"

"کسی اپاہج کی بے چارگی سے محظوظ ہونا۔"

"واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے۔" روحی کا ڈیڈی پرتشویش انداز میں سر ہلا کر بولا اور حمید اُسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بھی کوئی عجوبہ ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"آخر لنگڑے ہی کیوں؟"

"میں خود نہیں سمجھ سکتا۔"

"سختی سے روکیئے۔ آئندہ کسی لنگڑے سے نہ ملنے دیجئے۔"

"رو رو کر جان دے دے گی۔"

"مر ہی جانا چاہئے ایسی اولاد کو۔"

"شٹ اپ..... تم ایک باپ سے کہہ رہے ہو ایسی بات۔"

"ساتھ ہی باپ کو بھی مر جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ہڈیاں پسلیاں توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ایسے مناظر دیکھنے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں ہڈیوں اور پسلیوں کا ڈھیر بن جاؤں کوئی بات ہے۔ صاحبزادی لنگڑے سے شغل فرما رہی ہیں اور آپ مجھے بور کر رہے ہیں۔"

"چلے جاؤ یہاں سے۔"

"پیدل.....!"

"میں سچ مچ.....!" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ جملہ بھی پورا نہ کر سکا غصے کی زیادتی کی بناء پر۔

"اگر تم میرے باپ ہوتے تو میں تمہیں گولی مار دیتا سمجھے۔"

"کیوں.....؟" وہ غرایا۔

"تم جیسے نامعقول باپوں نے ہی یہ باسٹرڈ سوسائٹی پیدا کی ہے۔ اپنے کلچر کی ایک بھی صحیح و سلامت نہ رہنے دی۔ ابھی ابھی تم نے اپنی جگر پارہ کے جسم پر جو لباس دیکھا برداشت کیا تھا کیا تمہارے باپ تمہاری بہن کے جسم پر برداشت کر سکتے؟"

"خاموش رہو..... دقیانوس کے بچے۔ تم پڑھے لکھے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ پھر کیوں مغربی اقوام سے پیچھے رہ جاؤ۔"

"جی ہاں..... اسی لنگوٹی ہی کی وجہ سے تو مغربی اقوام آگے ہیں ہم سے۔" حمید جل کر بولا

"کیا مطلب.....؟"

"خواتین کی کم لباسی ہی انہیں چاند پر لے جا رہی ہے۔ سوچتے ہوں گے جب یہاں کے چاند ایسے ہیں تو وہ چاند کیسا ہوگا جسے لنگوٹی بھی میسر نہیں۔"

"ہوش میں رہو۔ جانتے ہو تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سر فضل مجید آف بونگا اسٹیٹ۔"

"آئی ایم ویری سوری سر..... یہ بونگا اسٹیٹ کہاں ہے۔"

"شمالی پہاڑی سلسلوں کے درمیان۔ نہ ہوئی میری اسٹیٹ..... کھال کھنچوا لیتا۔"

"لنگڑے کی.....؟"

"شٹ اپ.....!" اس نے حمید کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اتنا ہی زبردست جھٹکا تھا کہ وہ کرسی سے اٹھتا چلا گیا۔ ساتھ ہی کنپٹی پر ایک ہاتھ بھی پڑا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے سر سے شہاب ثاقب کا کوئی ٹکڑا ٹکرایا ہو۔ آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

پتہ نہیں کتنی دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے رہا تھا اور اس کا جسم گویا فضا میں چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور خود کو پسینے سے نہایا ہوا بھی محسوس کیا۔

سر فضل مجید سامنے کھڑا اُسے خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

"اٹھو.....!" اس نے غرا کر کہا۔

حمید چپ چاپ وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کی طاقت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے کوئی غیر دانشمندانہ فیصلہ نہ کر سکا۔

"چلے جاؤ..... اگر پھر کبھی شکل دکھائی دی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

حمید چپ چاپ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"ٹھہرو.....!"

حمید رک گیا۔

"تم ایک گھنٹے بعد ہمیں یہاں نہ پاؤ گے۔ اسلئے پولیس اسٹیشن تک جانے کی زحمت نہ کرنا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

"پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تمہارے سول سرونٹ ہمیں جھک کر سلام کرتے ہیں
بس نکل جاؤ۔"

حمید چل پڑا۔ عقب سے سرفضل ٹارچ کی روشنی میں اُسے راستہ دکھا رہا تھا۔ کیونکہ
عمارت کے دوسرے حصے بالکل تاریک تھے۔

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ باہر کی کھلی فضا میں کتنی دیر بعد پہنچا تھا۔

سرفضل عمارت سے باہر نہیں آیا تھا۔ سڑک پر چند قدم چل کر حمید پھر رک گیا۔ غصے کے
مارے اس کا سارا جسم جھلسا جا رہا تھا۔ پھر یک بیک اس کے ذہن میں ایک خاص قسم کی
کلبلاہٹ ہوئی۔ غالباً وہی پرانی چھپکلی متحرک ہوئی تھی جو اسے آنکھیں بند کر کے اندھے کنوئیں
میں بھی چھلانگ لگا دینے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اُس نے سوچا کہ وہ سرفضل مجید آف بونگا اسٹیٹ ہی کی گاڑی کیوں نہ لے بھاگے۔

اس خیال کے تحت وہ بڑی تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا تھا جہاں سرفضل نے گاڑی
کھڑی کی تھی۔

اتنی تیز رفتاری سے چلا تھا کہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے سانس پھول گئی اور وہاں پہنچ کر تو بس
جی چاہا کہ اپنی دھجیاں اڑا کر رکھ دے۔ گاڑی وہاں سے غائب تھی۔ سڑک پر دور دور تک سناٹا
تھا اور موڈل کالونی شہر سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر تھی۔

چلنا ہی پڑا..... فی الحال یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ سب سے بڑی خواہش اس وقت یہ
تھی کہ کسی طرح فریدی کو ان حالات سے آگاہ کر دے۔

چلتا رہا۔ پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ ایک میل پیدل چلنے کے بعد ایک آٹو رکشا خالی مل گیا۔
بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ پھاٹک ہی پر نصیر سے مڈبھیڑ ہوئی۔

"صاحب لائبریری میں ہیں۔" اس نے کہا۔ "لیکن سختی سے منع کیا ہے کہ کوئی راہداری
سے بھی نہ گذرے۔"

"کب کی بات ہے۔"

"شام کو آپ کے جاتے ہی کوئی صاحب آئے تھے۔ انہیں لے کر لائبریری میں چلے
گئے تھے۔"

"کون صاحب تھے؟"

"پتہ نہیں.....!"

"کیوں بکواس کرتا ہے۔"

"یقین کیجئے صاحب۔ وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آئے۔"

"خیر..... میں دیکھوں گا۔"

"میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب آپ جانیں..... محض اسی لئے جاگتا رہا کہ آپ
کو آگاہ کر دوں۔"

"آپ آگاہ فرما چکے..... اب ہٹئے سامنے سے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور اُسے
ایک طرف ہٹاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ احتیاطاً پہلے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ فادر ہارڈ اسٹون ہی
ٹھہرے۔ پتہ نہیں کس موڈ میں ہوں۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ڈسٹرب نہ کرو۔"

"لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور بستر پر گر کر
سوٹ اور جوتوں سمیت سونے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر پتہ نہیں کب آنکھ لگ گئی۔ بے خبر سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو ذہن ہوا میں اڑا جا رہا تھا اور
کانوں میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

جھلا کر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔ "ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے تھے۔"

"بونگا.....!" حمید نے ماؤتھ پیس میں دہاڑ کر ریسیور میز پر پھینک دیا اور پھر لیٹ گیا

کان دبا کر۔

اب کیا ہوگا؟

فریدی نے پرتشویش انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بونگا اسٹیٹ کا وجود ہے اور سر فضل مجید وہاں کا حکمران بھی تھا۔ اب اس کی حیثیت ایک بڑے زمیندار کی سی ہے۔''

''آپ ذاتی طور پر واقف ہیں اُس سے؟''

''نہیں۔''

حمید ناشتے کی میز پر دیر سے پہنچا تھا۔ توقع نہیں تھی کہ فریدی سے ملاقات ہو جائے گی لیکن وہ موجود ملا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے انداز میں بےتعلقی پائی جا رہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ناشتہ کرتے وقت اخبارات میں کھو گیا ہو اور پھر ناشتے کے وقت بھی اُن سے نجات نہ ملی ہو۔

لیکن حمید تو بے چین تھا کہ کسی طرح پچھلی رات کی کہانی اس کو سنا دے۔ بات شروع کرنے میں کیا دیر لگتی۔ فریدی خاموشی سے سنتا رہا اور پھر اتنا ہی بولا تھا کہ اُسے بونگا اسٹیٹ اور اُس کے والی کا علم ہے۔

حمید منتظر رہا کہ شائد وہ کچھ اور بھی کہے لیکن وہ تو پھر اخبار میں کھو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''آصف والے کیس کے سلسلے میں ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔''

''کیا.....؟'' حمید ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''جن جن دوکانداروں کا نقصان ہوا تھا اُنہیں اس کا معاوضہ کسی نہ کسی صورت میں مل گیا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''کتاب کی قیمت..... جس دوکان سے جتنی کاپیاں اٹھائی گئیں اُن کی قیمت بذریعہ پوسٹل آرڈر کسی گم نام آدمی کی طرف سے اُس دوکان پر پہنچ گئی ہے۔''

''اور اُن جوہریوں کا کیا بنا جن کے زیورات غائب ہوئے تھے۔''

''حمید صاحب! میں اس نظریئے کا قائل نہیں ہوں کہ ایک گروہ یہ سارے کام انجام دے رہا ہے۔ وہ کوئی اور ہیں جو اس ہنگامے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آصف کی مرمت ہو جانے کے بعد سے پھر کوئی کیس نہیں ہوا۔ نہ وہ کتاب کسی اسٹال سے اٹھائی گئی اور نہ لوٹ مار کی کوئی واردات ہوئی۔''

''جہنم میں جھونکئے سب کو..... میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ لڑکی لنگڑوں میں کیوں اتنی دلچسپی لیتی ہے۔''

''اذیت پسندی کی سب سے بھیانک قسم..... اپوزٹ سکس کو جنسی بے چارگی میں مبتلا کر دینے کا رجحان اکثر قتل و غارت گری تک بھی لے جاتا ہے۔ ایسی ہستیاں خود بھی آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر جنسی جنون میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ اپنا تختہ مشق بنانے کے لئے یا تو جسمانی اپاہجوں کو تلاش کرتے ہیں یا ذہنی اپاہجوں کو۔''

''ذہنی اپاہج..... یہ نئی اصطلاح سننے میں آ رہی ہے۔''

''میں ذہنی اپاہج اُنہیں کہتا ہوں جن کا کوئی جذبہ کسی خیال کے تحت اچانک سرد پڑ جاتا ہے۔ یا خیال اُس جذبے پر اس شدت سے حاوی ہو کہ جذبے کے اظہار کی راہ میں دیوار بن جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ذہنی اپاہج بنائے جاتے ہیں۔ اس قسم کی اذیت پسند عورتیں اس کے لئے اپوزٹ سکس کا کوئی ایسا فرد منتخب کرتی ہیں جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ بااصول آدمی ہے۔ وہ اُس پر بڑی محنت کرتی ہیں۔ اُسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں اور پھر انتہائی ہیجانی لمحات میں اُس کے ذہن کی کسی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ دیتی ہیں اور وہ اسی لنگڑے کی طرح بل کھاتا رہ جاتا ہے۔''

''ذرا ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آخر اتنی دردسری کیوں مول لیتی ہیں۔''

"یہ وہ عورتیں ہیں حمید صاحب جنہیں اپنے آس پاس کی زندگی میں اپنی بے وقعتی کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوئیں تو اس قسم کے طریقے اختیار کر کے اپنی انا کی تسکین کرتی ہیں۔ جب وہ کسی کو جنسی بے بسی میں مبتلا دیکھتی ہیں تو انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی گھریلو بے وقعتی کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہی چیز ان کی تسکین کا ذریعہ بھی بنتی چلی جاتی ہے۔ یعنی مقابل کو بے بسی میں مبتلا کرتے وقت وہ خود جس قسم کے ہیجان میں ہوتی ہیں وہی ان کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔"

"بس کیجئے..... ورنہ میرا دماغ الٹ جائے گا۔ میں سیدھا سا آدمی ہوں اور سیدھی سادھی عورتیں مجھے پسند آتی ہیں۔"

"آپ ہی جیسے حضرات ایسی عورتیں پیدا کرتے ہیں حمید صاحب۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھے ان بے چاریوں سے ہمدردی ہے۔ صدیوں سے یہ اس احساس کا شکار رہی ہیں کہ ان کا صرف ایک ہی مصرف ہے۔ حالانکہ ان کی بھی شخصیت ہوتی ہے۔ ایک سوچتا ہوا ذہن بھی رکھتی ہیں۔ اگر ان کی ایک کے علاوہ دوسری جبلتوں کو نظر انداز نہ کیا گیا ہوتا تو آج کی بعض عورتیں ایسی ذہنی یا جسمانی بے راہ روی کا شکار ہرگز نہ ہوتیں۔ گھریلو بے وقعتی بھی انہیں اس راہ لے جاتی ہے۔ وہ تھوڑی ہی دیر کے لئے خود کو دنیا کی اہم ترین عورتیں محسوس کر کے ایک طرح کی طمانیت حاصل کر لیتی ہیں۔"

"بس صاحب۔" حمید دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کرتا ہوا بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا اور پھر کسی ایسے آدمی سے عورتوں کے بارے میں کیا سنوں جس کا علم ان کے متعلق محض کتابی ہے۔ تجربے کا مرہون منت نہیں۔"

"تجربہ کار صاحب۔ کسی دن عقل ٹھکانے آجائے گی۔"

"خدا وہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہوں میں۔ لیکن کیا مردوں میں ایسے جانور نہیں پائے جاتے۔"

"یقیناً پائے جاتے ہوں گے۔"

"آپ نے اپنے بارے میں بھی کبھی کچھ سوچا۔"

"اپنے لئے فرصت کا ایک لمحہ بھی میرے پاس نہیں۔"

"خیر.....!" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "میں انتقام لینا چاہتا ہوں۔"

"کس سے؟"

"سر فضل مجید والئی بونگا اسٹیٹ سے۔" حمید ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"بکواس نہ کرو۔"

"آخر وہ مردود مجھے اپنے ساتھ کیوں لے گیا تھا۔"

"میں کیا بتا سکتا ہوں؟" فریدی نے کہا اور پھر اخبار دیکھنے لگا۔

"خیر..... میرا معاملہ ہے۔ میں ہی دیکھ لوں گا۔"

"آپ کی قوت پرواز سے میں بخوبی واقف ہوں۔" فریدی نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر سرد لہجے میں کہا۔

"آپ دیکھیں گے۔"

"جی ہاں..... یہی دیکھوں گا کہ حمید صاحب بھی لنگڑاتے پھر رہے ہیں۔"

"یقیناً..... ان لوگوں تک پہنچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ لڑکی میری بے بسی سے کس طرح محظوظ ہوتی ہے۔"

"خواہ مخواہ وقت نہ ضائع کرو۔"

"پلیز..... میری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ اُس مردود نے میرے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا۔"

"سوچ لو..... بارسوخ آدمی ہوگا۔ ورنہ اس طرح کھلے بندوں نہ پھرتا۔"

"اب شائد مجھے اپنے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالنا پڑے گا۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"وہ کس لئے فرزند۔"

"آپ کی زبان سے ایسا جملہ سننا پسند نہیں کرتا۔ ارے ہم اس لئے پیچھے ہٹ جائیں کہ

کہیں وہ بارسوخ نہ ہو۔"

"لنگڑا بننا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ ہکلانا۔ میڈیکل ایگزامینیشن لنگڑے پن کا پول کھول سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"کیا وہ میرا میڈیکل ایگزامینیشن کرانے بیٹھے گا۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ناممکن تو نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ تمہیں بتا بھی چکا ہے کہ لنگڑے اس لڑکی کی کمزوری ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ وہ کسی نہ کسی جرم میں بھی ملوث ہے۔ لہٰذا اپنے قریب آنے کی کوشش کرنے والے ہر نئے آدمی کو پرکھنے کا خیال ضرور آئے گا اس کے دل میں۔"

"تو پھر میں کیا کروں..... مجھے بتائیے۔"

"خیر از راہِ ہمدردی تمہاری ٹانگ توڑنے کی کوشش کروں گا۔"

"جی.....!"

"سچ مچ لنگڑے ہو جاؤ گے کچھ دنوں کے لئے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ایک ٹانگ کے پٹھے کچھ دنوں کے لئے اکڑ جائیں گے اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی نہ کہہ سکے گا کہ پٹھوں کی ناکارگی مصنوعی ہے۔"

❖

کھٹ..... کھٹ..... بیساکھی فرش پر بج رہی تھی اور رے پول کے ڈائننگ ہال میں روزانہ کے بیٹھنے والوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ آخر یہ ہوٹل لنگڑوں کا اڈہ کیوں جا رہا ہے۔ پہلے تو ایک ہی آتا تھا اب ایک اور آنے لگا ہے۔

حمید تین دن سے آ رہا تھا۔ آج چوتھا دن تھا۔ وہ پچھلے دنوں اُن دونوں سے پہلے

وہاں پہنچتا رہا تھا۔

حمید آج دیر سے پہنچا..... روحی اور توقیر اُس سے پہلے ہی آ چکے تھے۔ پچھلے دنوں حمید نے قطعی کوشش نہیں کی تھی کہ روحی سے دو باتیں ہی کر لینے کا موقع ہاتھ آ جائے لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ ہونا بھی چاہئے تھا۔ وہ توقیر سے کہیں زیادہ خوبرو ور جوان "لنگڑا" تھا۔ چہرے پر فریدی نے پلاسٹک میک اپ کیا تھا اور حمید کی درخواست پر اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ "گلفامیت" اصل سے بھی بڑھ جائے۔

آج بھی روحی اس کی بیساکھی کی کھٹ کھٹ پر چونک کر اس کی طرف مڑی تھی اور توقیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کبھی اُسے گھورنے لگتا تھا اور کبھی حمید کو۔

ان کے قریب سے گذرتے وقت حمید کی بیساکھی آج کی اسکیم کے مطابق میز کے پائے سے ٹکرائی اور وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی والا تھا کہ روحی نے جلدی سے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ توقیر نے بھی اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن روحی نے تحکمانہ انداز میں اُسے روک دیا تھا۔

بازو کا سہارا دیئے ہوئے اس نے حمید کو اپنی ہی میز پر بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"شش..... شکریہ محترمہ..... ہم تو ردی کی ٹوکری کی چیز ہیں۔" حمید بیٹھ کر ہانپتا ہوا بولا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اپنی اس حالت پر شرمندہ ہو اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ لوگوں نے اُسے اس حال میں دیکھا تو نہیں۔

"نہیں..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔" روحی نے خالص ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "سوسائٹی کا ہر فرد اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"لیکن میری کوئی اہمیت نہیں۔" حمید کے لہجے میں درد تھا۔

"کیوں جناب..... آپ کی کوئی اہمیت کیوں نہیں۔" توقیر نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"میں اس بھری دنیا میں بالکل تنہا ہوں۔"

"شاعر بھی معلوم ہوتے ہیں۔" توقیر کا لہجہ اب بھی طنزیہ تھا۔ حمید نے بظاہر اس کا کوئی نوٹس نہ لیا لیکن دل ہی دل میں کباب ہوتا رہا۔

البتہ روحی کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے اور وہ اُسے بُری طرح گھور رہی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب توقیر اس سے نظریں چرا رہا ہے۔

"میں آپ کو کئی دن سے یہاں دیکھ رہی ہوں۔" دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

"جی ہاں..... آپ کی وجہ سے۔" حمید نے توقیر کی طرف سے اشارہ کیا۔

"میری وجہ سے کیوں.....؟" توقیر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ "آپ کے شہر میں اجنبی ہوں اور اپنے ہی جیسے اپاہجوں کی تلاش ہمیشہ رہتی ہے مجھے۔"

"دل چھوٹا نہ کیجئے..... دنیا اتنی بُری جگہ نہیں ہے۔" روحی بولی۔

"میں پیدائشی اپاہج نہیں ہوں خاتون..... دنیا اچھی طرح دیکھی ہے۔ تین سال گذرے یہ ٹانگ بیکار ہوئی ہے۔ تین سال سے میں ان کی شکلیں دیکھنے کو ترس گیا ہوں جو ہر وقت مجھ سے قریب رہنے کی کوشش کرتے تھے۔"

"تو کیا آپ کے سارے دوست آپ کو چھوڑ گئے۔"

"سب چھوڑ گئے..... اب میں ہوں اور میرے تین ملازم..... ایک سیکریٹری ایک باورچی اور ایک اٹنڈنٹ..... بغرض علاج یہاں آیا ہوں۔"

"علاج..... تو کیا یہ قابل علاج بھی ہے۔"

"ابھی تک ڈاکٹروں نے لاعلاج ہی بتایا ہے۔ لیکن میں نا اُمید نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی نہ کوئی اسپیشلسٹ ضرور میری مشکل حل کرے گا۔"

"یقیناً..... یقیناً.....!" روحی کا لہجہ بے حد ہمدردانہ تھا۔

"ہاں تو جناب.....!" حمید نے توقیر کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"لیکن میرا ساتھ تو کسی نے بھی نہیں چھوڑا.....!" توقیر نے سرد لہجے میں کہا۔

"توقیر.....!" روحی نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

"خیر..... خیر.....!" توقیر زبردستی مسکرا کر اپنا ہاتھ حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "خاتون روحی کی یہی خواہش ہے تو میں بھی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"شکریہ جناب۔" حمید کا لہجہ بہت زیادہ دردناک تھا۔

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا مسٹر.....!" روحی بولی۔

"ساجد میرا نام ہے۔" حمید نے کہا۔

"توقیر دل کے بُرے نہیں ہیں..... میرا نام روحی ہے۔"

"بیگم توقیر..... میں ذرا ذرا سی بات پر رنجیدہ ہو جاتا ہوں۔"

"آپ غلط سمجھے۔" روحی ہنس پڑی۔ "یہ میرے شوہر نہیں ہیں۔ صرف دوست ہیں۔"

"اچھا..... اچھا..... میں معافی چاہتا ہوں محترمہ۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"جب سے یہاں آیا ہوں لوگوں سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔ ملازمین تو اس دکھ کا مداوا نہیں ہو سکتے۔"

"جی ہاں قطعی.....! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہمیں اپنا بہترین دوست پائیں گے۔ توقیر بہت اچھے آدمی ہیں۔" روحی بولی۔

پھر مقامی ڈاکٹروں کی بات چل پڑی تھی لیکن وہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کس ڈاکٹر سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا جائے۔

"آپ فکر نہ کریں ساجد صاحب۔" روحی نے کہا "جو کچھ بھی ممکن ہوگا آپ کے لئے کیا جائے گا۔"

"شکریہ۔" حمید بولا۔ اب وہ ایک زندہ دل آدمی کی طرح چہک رہا تھا۔ لیکن یہ تبدیلی بتدریج ہوئی تھی۔ دوسروں کو یہی معلوم ہوا ہوگا جیسے دل پر سے غم کے بادل آہستہ آہستہ چھٹے ہوں۔

کوٹھی شاندار تھی۔ حمید بیساکھی کی مدد سے طویل برآمدے میں لنگڑاتا پھر رہا تھا۔

ے پول میں روحی سے مل بیٹھنے کو آج تیسرا دن تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آج ا کی قیام گاہ پر ملے گی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ مردود بھی نہ ساتھ لگا چلا آئے۔

اس قیام گاہ کا انتظام فریدی نے کیا تھا۔ ملازمین بھی اسی نے فراہم کئے تھے اور یہ ایے افراد تھے جن کی شکلیں حمید نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان میں دو قوی ہیکل مرد تھے اور ایک بوڑھی عورت جو حمید کی سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھی۔ مردوں میں ایک باورچی تھا ا دوسرا اوپر کے دوسرے کام کرنے والا۔ ایک کا نام طاہر تھا اور دوسرے کا رشید۔

اس وقت حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ خواہ مخواہ کس مصیبت میں پڑ گیا۔ ظاہر تھا کہ روحی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے گذارے جاسکتے تھے۔ اس کے بعد بقیہ وقت کو لنگڑے پن نذر کردینا کہاں کی عقلمندی تھی۔

یقیناً عقلمندی نہیں تھی۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ کوشش بھی کرتا تو دوسری ٹانگ کو جنبش دے سکتا۔ فریدی نے کئی گھنٹے تک اس ٹانگ میں کسی قسم کے سیال کی مالش کرائی تھی اور بڑ پریقین انداز میں کہا تھا۔ ''کم از کم پندرہ دن کے لئے بے کار ہوئے تم..... کسی دن کوئی لڑکی تمہاری موت کا باعث بھی بنے گی۔''

ٹانگ بالکل ہی بے حس ہوکر رہ گئی تھی۔ بیساکھی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔ اُسے یاد آیا۔ فریدی نے یہ بھی تو کہا تھا کہ بڑا سے بڑا میڈیکل ایگزامینیشن بھی اس کو کارآمد ثابت نہیں کرسکے گا۔

وہ ٹہلتا اور سوچتا رہا..... ٹھیک چھ بجے روحی کی گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ حمید بیساکھی کی ''کھٹ کھٹ'' رک گئی تھی۔

''اونہہ..... مردود..... !'' وہ توقیر کو بھی گاڑی میں دیکھ کر بڑبڑایا۔

توقیر بھی اُس کے ساتھ آیا تھا اور وہ اُسے سہارا دے کر گاڑی سے اتار رہی تھی۔

حمید نے جلد از جلد اپنا موڈ ٹھیک کر لینے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوگیا۔ دونوں کو ڈرائینگ روم میں لاتے وقت اس نے کہا۔ ''یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ توقیر صاحب کو بھی ساتھ لائی ہیں۔''

''ارادہ تو نہیں تھا۔'' وہ توقیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی ''لیکن شرط ہوگئی ہے ان سے۔''

''شرط..... کیسی شرط۔''

''ذرا اطمینان سے بیٹھ جائیں تو بتاؤں..... اوہ..... یہ بوڑھی عورت کون ہے۔''

''میری سیکریٹری۔''

''سیکریٹری۔'' روحی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں.....!''

''کیا کوئی جوان عورت نہیں ملی تھی۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور اُس کی آنکھوں میں غم کی ایک لہر سی نظر آئی پھر کھسیانے انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''اب مجھ میں تاب نہیں رہی..... اس بیماری سے قبل ایک جوان ہی سیکریٹری تھی۔ لیکن مرض کا حملہ ہونے کے بعد وہ ملازمت چھوڑ گئی۔ تب سے میں نے عہد کیا ہے کہ بوڑھی ہی عورت رکھوں گا..... وہ مجھے ماں سا پیار دیتی ہے..... وہ اس طرح کبھی مجھ سے الگ نہیں ہوگی کہ میرا دل ٹوٹ جائے۔''

''واقعی آپ بہت دکھی ہیں۔''

توقیر اس دوران میں اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا تھا۔ اُن کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا۔

''ہمیں وقت نہ ضائع کرنا چاہئے..... پونے سات بجے کا وقت مقرر ہوا تھا۔''

''کہیں چلنا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....!'' روحی نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گی تمہیں دکھ ہوگا اور میں تمہیں مغموم دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ توقیر ہی کو مایوسی ہوگی۔''

"بات کیا ہے؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔"

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی..... اچھے دوستوں کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔ اگر کہیں پونے سات بجے پہنچنا ہے تو ہم کافی کا ایک کپ تو پی ہی سکیں گے۔"

"ہاں اگر یہ پندرہ منٹ کے اندر اندر ممکن ہو۔" توقیر نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے بوڑھی عورت سے کافی کے لئے کہا اور وہ چلی گئی۔

"میں کتنا خوش ہوں آپ لوگوں کی آمد پر..... بیان نہیں کرسکتا۔"

دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ حمید کو ان کی یہ خاموشی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی لیکن اس نے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "آپ نے کسی شرط کا تذکرہ کیا تھا۔"

"فی الحال ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ کیا ایک دوست کی حیثیت سے تم مجھ پر اعتماد نہیں کرسکتے۔" روحی نے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بے اعتمادی کا۔"

اتنے میں کافی آ گئی۔ شائد پانی پہلے ہی سے تیار تھا۔

کافی ختم کر لینے کے بعد حمید نے کہا۔ "کیا میں اپنی گاڑی بھی نکلواؤں؟"

"کیا ضرورت ہے۔ میری گاڑی میں چلو۔"

کچھ دیر بعد گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ دونوں لنگڑے پچھلی سیٹ پر تھے اور رو
گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ خاصی مضحکہ خیز اور دلچسپ سچویشن ہے۔ ہنسنے کو چاہا تھا لیکن پھر وقت کی نزاکت کا خیال کرتے وقت اس خواہش کا گلا گھونٹ دینے ہی میں مصلحت نظر آئی۔

ویسے اُسے الجھن بھی تھی۔ اس شرط کا خیال آیا جس کا تذکرہ روحی نے کیا تھا۔ تو کیا اس وقت کا سفر اُسی شرط سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی الجھن دور ہوگئی۔ گاڑ

ک ڈاکٹر کے مطب کے سامنے رکی۔

"تو یہ بات ہے۔" اس نے سوچا۔ توقیر نے شائد اسے بنا ہوا لنگڑا ثابت کرنے کا بیڑا ٹھایا ہے۔ اپنی موجودگی میں طبی معائنہ کرانا چاہتا ہے۔

"یہ ایک ماہر معالج ہے۔" روحی بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تمہارا معقول علاج کرسکے گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ ضروری نہیں کہ فریدی کا ہر دعویٰ درست ہی ثابت ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سیال کا اثر زائل ہو چکا ہو جس کی مالش کچھ دن پہلے اس ٹانگ میں کی گئی تھی۔

بہر حال وہ تن بہ تقدیر ہو کر مختلف قسم کے آلات سے دوچار ہوتا رہا۔ ویسے وہ ڈاکٹر کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار ضرور محسوس کرتا رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ڈاکٹر کا ریمارک بھی سنا۔

"مسلس بالکل بیکار ہو چکے ہیں۔ کچھ شریانیں بھی خشک ہوگئی ہیں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دوبارہ چل سکیں گے یا نہیں۔"

حمید نے دیکھا کہ توقیر کا منہ لٹک گیا ہے۔ روحی نے ڈاکٹر کی فیس ادا کی تھی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔

توقیر کچھ نہ بولا۔ اس نے حمید کو متوجہ کر کے کہا۔ "توقیر صاحب کا خیال تھا کہ تم بن رہے ہو تاکہ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرسکو۔"

"اوہ.....!" حمید نے کہا اور آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے ٹک گیا۔

توقیر ہولے ہولے اس کا شانہ تھپک رہا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے اپنے اس توہم پر شرمندگی ہے میرے دوست۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ البتہ اپنا نچلا ہونٹ اس طرح دانتوں میں دبا لیا تھا جیسے امنڈنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مناسب یہی ہے کہ اب تم اپنی زبان نہ کھولو۔" روحی نے توقیر کو مخاطب کیا تھا۔

توقیر صرف کھنکار کر رہ گیا۔

گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔" توقیر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"تمہیں تمہارے گھر چھوڑیں گے۔" روحی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"کک.....کیوں.....؟"

"میں آج ساجد کو اپنی لائبریری دکھاؤں گی۔"

"مم.....میں بھی چلوں گا۔"

"تم پہلے ہی دیکھ چکے ہو.....اس لئے تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔"

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچ رہا تھا دیکھئے اب کیا ہو؟

لنگڑوں کی شامت

"ہوں.....!" فریدی پر تفکر انداز میں بولا۔ "تو تم نے اس کی لائبریری دیکھی۔"

"یہ لڑکی.....میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"کیوں.....؟"

"گھر لے گئی اور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ میں نے پوچھا لائبریری کب دکھاؤ گی۔ کہنے لگی مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے لنگڑوں سے نفرت نہ ہو جائے۔ میں نے اس خدشے کی وجہ پوچھی تو بولی۔ توقیر ہی کی طرح تم بھی حاسد اور کمینے ثابت ہو سکتے ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ میں صرف اُسی تک محدود رہوں۔ میں نے کہا یہ زیادتی ہے اس پر اس نے بڑا سا منہ بنا کر کہا کچھ دنوں بعد تم بھی مجھے اپنی ملکیت سمجھنے لگو گے۔ حالانکہ مجھے صرف بے بسی سے پیار ہے۔ یہ بے بسی مجھے کسی خارش زدہ کتے میں بھی نظر آ سکتی ہے اور میں اُسے بھی گلے لگا سکتی ہوں۔"

"ہوں.....!" فریدی سر ہلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا حیثیت ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"کیا مطلب.....؟"

"اس کیس میں میری کیا حیثیت ہے۔"

"کیس.....!" فریدی نے حیرت سے کہا اور پھر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "میں نے یہ دردِ سر محض تمہاری خواہش کی بناء پر مول لیا ہے۔ تم فضل مجید اور روحی سے انتقام لینا چاہتے تھے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!"

"میرا وقت نہ برباد کرو..... یہ بتاؤ کہ اب کیا چاہتے ہو۔"

"میری ٹانگ کا میڈیکل اگزامینیشن ہو چکا ہے۔ اب زیادہ دیر تک لنگڑا پن برداشت نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے.....اب اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم اس کھیل کو فوری طور پر ختم نہیں کرنا چاہتے تو تمہیں خود کو لنگڑا ہی پوز کرتے رہنا پڑے گا۔"

"آخر کب تک.....؟"

"حمید! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ کیا تم میری کسی اسکیم پر عمل کر رہے ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس بار کچھ کر بیٹھنے کے بعد بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا ورنہ عموماً تم اس کے عادی رہے ہو کہ کوئی حرکت کر بیٹھنے کے بعد ہی.....!"

"خدا کے لئے میرے ذہن کو زیادہ نہ الجھائیے۔" حمید بات کاٹ کر بولا۔

"اچھا تو پھر تم بھی خاموش بیٹھو..... میں اس وقت کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"کیا اسی کیس کے بارے میں.....!"

"اس تصویر کے دشمن کے بارے میں جو کتابوں پر سے صرف ٹائیٹل ڈیزائن پھاڑ لے جاتا ہے۔"

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

پتہ نہیں کس طرح چھپتا چھپاتا فریدی تک پہنچا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کیا حاصل؛ کہ بیکار ہوجانے والی ٹانگ دوبارہ کارآمد ہوگئی تھی۔ دوسرا سیال عجیب تھا۔ جلد سے مس ہو۔ ہی ایسا لگا تھا جیسے گوشت اور پٹھوں سے گذرتا ہوا ہڈی سے جاٹکرایا ہو۔ پھر اُس کا ردعمل شرو ہوا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا جیسے بے جان رگوں اور پٹھوں میں کھنچاؤ پیدا ہوگیا ہو۔

اب اس وقت وہ اپنی عارضی قیام گاہ پر اپنی اس عارضی طور پر مفلوج ہوجانے والی ٹا سے باقاعدہ طور پر کام لے رہا تھا۔

کلاک نے جیسے ہی گیارہ بجائے کسی نے باہر وزیٹنگ بیل کا بٹن بھی دبایا اور تیز ترم آواز سے پوری عمارت گونج اٹھی۔

کون ہوسکتا ہے؟ اس نے سوچا۔ آج روحی بھی نہیں آئی تھی۔ کیا اتنی رات گئے وہ آئی ہوگی بہرحال ملازم نے کچھ دیر بعد آکر اطلاع دی کہ روحی اور توقیر ڈرائنگ روم میں اس. منتظر ہیں۔

حمید نے سلیپنگ گاؤن پہنا اور بیساکھی سنبھال کر ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑا۔

''آج ہم دونوں ہی بڑے اچھے موڈ میں ہیں۔'' روحی اسے دیکھ کر چہکی۔

''بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے کرم فرمایا۔ مجھے بھی نیند آرہی تھی۔'' حمید بولا۔

''بور تو نہ ہوجاؤ گے۔''

''کیا بات کرتی ہیں آپ..... آپ لوگوں کی صحبت سے بور ہوجاؤں گا۔''

توقیر خاموش تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں دیکھے تھے۔

''اس سلیپنگ گاؤن میں تم بڑے اچھے لگتے ہو۔'' روحی نے کہا۔

اور حمید شرما جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر توقیر سے نظریں ملیں اور جھک گئیں۔ اُس نے توقیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہٹ دیکھی تھی۔

''لیکن ہم بیکار تو نہیں بیٹھیں گے۔'' روحی نے کچھ دیر بعد کہا۔ حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں کہتا ہوں.....!'' توقیر کی آواز پھنس گئی۔

''تم کچھ بھی کہتے نہیں..... کہتے بھی ہو تو میں سننے پر تیار نہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم روزانہ ایک ہی قسم کی تفریح کریں۔''

''روحی..... مم..... میرا مطلب تھا.....!''

''اچھا..... اچھا..... میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

حمید نے محسوس کیا جیسے روحی کا موڈ بگڑ گیا ہو۔ وہ کچھ دیر تک پھولی بیٹھی رہی پھر غرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔ ''تم دونوں ہی کان کھول کر سن لو..... میں ہمیشہ اپنے دوستوں پر چھائی رہنے کی عادی ہوں۔''

''جی ہاں..... میں سمجھتا ہوں..... آپ کے بارے میں میرا یہی اندازہ تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن مجھے تمہارا یہ انداز بھی پسند نہیں۔ جب مجھے غصہ آتا ہے تو میرا کوئی دوست میرے سامنے مسکرانے کی جرأت نہیں کرتا۔''

''بڑی مصیبت ہے۔'' حمید مسکراتا ہوا بولا۔

''کیا مصیبت ہے۔''

''دوسروں کو غصے میں دیکھ کر مجھے ہنسی آتی ہے۔''

''بکواس ہے..... ناممکن.....!''

بچپن ہی سے اس بُری عادت کا شکار رہا ہوں اور اب تو یہ فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

بچپن ہی سے میرے پاپا مجھے ڈانٹتے تھے تو مجھ پر ہنسی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔

"میرے ساتھ یہ نہیں چلے گی۔"

"مجبوری ہے محترمہ روحی۔"

"کیا کہا.....؟" روحی نے غضب ناک انداز میں آنکھیں نکالیں۔

حمید ہنس پڑا۔

"یہ کیا نامعقولیت ہے۔" دفعتاً توقیر دہاڑا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا تم بالکل ہی غیر صحبت یافتہ ہو۔" توقیر نے اُس سے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مادام روحی کہہ رہی ہیں کہ انہیں غصے میں کسی کی بھی ہنسی پسند نہیں آتی۔"

"میں سن رہا ہوں مسٹر توقیر.....!" دفعتاً حمید کا موڈ بھی بدل گیا۔

"تم اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔" توقیر کی آنکھیں گویا ابل سی پڑیں۔

"تم بکواس بند کرو.....اور چلے جاؤ یہاں سے۔" دفعتاً روحی اُسی پر الٹ پڑی اور توقیر ہکا بکا رہ گیا۔

حمید کو بھی اس پر حیرت ہوئی تھی۔ لیکن اُس نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ توقیر تو سناٹے میں آ ہی گیا تھا۔

"تم دونوں ہی ایک دوسرے پر اپنی برتری کبھی نہ جتاؤ گے سمجھے۔" روحی نے مربیانہ لہجے میں پھر اپنے غصے کا اظہار کیا۔

توقیر نے سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔ لیکن حمید شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ روحی کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تم سچ مچ بچپن میں بھی سرکش رہے ہو گے۔" روحی نے اُس سے کہا۔

"لنگڑے پن کی وجہ سے میری روح مضمحل نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی وقتی طور پر پژمردہ ہو جاتا ہوں۔"

"پتہ نہیں کیوں میں تمہیں اتنا پسند کرنے لگی ہوں۔ ورنہ اپنی خواہشات کے آگے سر نہ جھکانے والے دوستوں کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں۔"

"میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں مادام روحی جنہیں عورتیں جوتے کی نوک پر رکھ سکیں۔ لڑکیوں کے نخرے ناپسند ہونے ہی کی بناء پر میں نے بوڑھی سیکریٹری رکھ چھوڑی ہے۔"

"لیکن پہلے تو تم نے اس کی اور کوئی وجہ بتائی تھی۔"

"میں پانچ ہزار لفظ فی منٹ کی رفتار سے جھوٹ بول سکتا ہوں۔"

"تم بالکل مختلف ثابت ہو رہے ہو میرے اندازے سے۔"

"میں پھر کہتا ہوں مادام روحی۔" دفعتاً توقیر بول اٹھا۔ "محض آپ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے یہ ہماری میز کے قریب لڑکھڑایا تھا۔"

"تم پھر بولے۔ میں نے کہا تھا خاموش رہنا۔"

"میری ہی چھت کے نیچے میری توہین کر رہے ہو۔" حمید توقیر کو گھورتا ہوا بولا۔

"میں اب کچھ نہ کہوں گا۔" توقیر نے بہت زیادہ جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے خیال سے خاموش ہوں مادام روحی ورنہ بیساکھی مار کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیتا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"تم ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔" روحی مسکرائی۔

توقیر کباب ہو کر رہ گیا تھا اس ریمارک پر.....حمید نے یہی محسوس کیا۔

"کافی یا چائے مادام روحی۔" حمید نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اپنے لئے ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم سگریٹ پیتے ہوئے بالکل اچھے نہیں لگتے۔" روحی منہ بنا کر بولی۔

"سگریٹ تو میں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میں کب کہہ رہی ہوں۔ میں نے تو صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔"

"مجھ سے بھی کچھ کہہ کر دیکھئے۔" توقیر بولا۔

"تم اُلو ہو۔" روحی نے لاپروائی سے کہا اور پھر حمید کی طرف متوجہ ہوگئی۔ حمید نے توقیر کے چہرے پر کھسیاہٹ محسوس کی لیکن توقیر اب اس سے بھی نظریں چرا رہا تھا۔

دفعتاً وزیٹنگ بیل کی تیز آواز ایک بار پھر پوری عمارت میں گونجی اور روحی سوالیہ انداز میں حمید کو گھورنے لگی۔

"کیا اور کوئی بھی ہے اتنی رات گئے آنے والا۔" اُس نے اس سے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں..... آپ دونوں کے علاوہ اور کسی سے یہاں میری جان پہچان نہیں۔"

"تو پھر..... تو پھر..... وہ ڈیڈی ہی ہوں گے۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "کئی دن سے میری ٹوہ میں ہیں۔"

توقیر بھی اس بات پر کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ حمید نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ٹھیک اُسی وقت ملازم ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور حمید کی طرف کسی کا وزیٹنگ کارڈ بڑھا دیا۔

"اوہ..... یہ کون صاحب ہیں..... آپ نے یہی نام تو بتا دیا تھا اپنے والد کا۔ سر فضل مجید.....!" حمید کارڈ پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

"خدا رحم کرے..... اب میں کیا کروں۔" روحی بڑبڑائی۔

"آپ دوسرے کمرے میں چلی جایئے۔" حمید نے تجویز پیش کی۔

"لیکن میری گاڑی تو کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔ وہ کسی طرح بھی دھوکا نہ کھا سکیں گے۔"

"اچھا تو پھر میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔" توقیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔ کم از کم یہ تو ہوگا کہ.....!" وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئی۔

حمید نے بھی بوکھلا جانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پچھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور توقیر اٹھ کر بیساکھی ٹیکتا ہوا پردے کے پیچھے غائب ہوگیا۔

حمید نے ملازم سے کہا۔ "انہیں یہاں لاؤ۔"

ملازم کے چلے جانے کے بعد حمید اور روحی خاموش ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

فضل مجید کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کی آنکھیں غصے سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر تک قہر آلود نظروں سے دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اب یہ دوسرا لنگڑا..... روحی میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"ڈیڈی پلیز.....!"

"شٹ اپ.....!"

"آپ زیادتی کر رہے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں چپ رہو۔"

"اچھی بات ہے..... تو خفا رہیے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کیا آپ کی دوستی عورتوں سے نہیں۔"

"نہ وہ لنگڑی ہیں اور نہ گونگی بہری ہیں۔"

"تو کیا مجھے اس کا بھی حق حاصل نہیں کہ اپنے پسند کے آدمیوں سے مل سکوں۔"

"ارے تو لنگڑے۔"

"آپ کو میرے دوستوں کی توہین کرنے کا حق حاصل نہیں۔"

"یاد رکھو جائیداد سے محروم کر دوں گا۔"

"میری بھی بہت بڑی جائیداد ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا

"تم چپ رہو جی۔"

"ڈیڈی پلیز..... میں التجا کرتی ہوں۔" روحی پھر ڈھیلی پڑ گئی۔

"میں آج اس کا فیصلہ کر کے رہوں گا۔"

"آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے..... میں ساجد سے شادی کروں گی۔"

"کیا کہا.....؟"

"ساجد سے شادی کروں گی۔"

"میں تمہیں ابھی گولی ماردوں گا۔"

"ذرا مار کر تو دیکھو.....فوراً ہی میں بھی خودکشی کرلوں گا۔" حمید بول پڑا۔

"بہت بہتر..... پہلے آپ خودکشی کرلیجئے..... پھر میں اسے گولی ماردوں گا۔" سرفضل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اتنا الو نہیں ہوں۔"

"روحی تمہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلنا ہے۔"

"یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔اس لئے مجھے حق پہنچتا ہے کہ آپ کے اس رویئے پر احتجاج کروں۔" حمید چیخ کر بولا۔

"وہ تھپڑ رسید کروں گا کہ سارے دانت باہر آجائیں گے۔"

حمید نے جواب میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔کیونکہ اس کی طاقت کا اندازہ پہلے ہی سے تھا۔

"ڈیڈی.....ڈیڈی.....ڈیڈی۔"

"بکومت.....!"

"میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی اگر آپ نے مجھے میرا یہ حق استعمال نہ کرنے دیا۔"

"یعنی ایک لنگڑے سے شادی کا.....!"

"بار بار ساجد کی توہین نہ کیجئے۔"

"میں اس کی دوسری ٹانگ بھی بیکار کردوں گا۔"

حمید کا دل چاہا کہ لنگڑے پن کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔لیکن پھر یہ سوچ کر کہ ایک بڑی دلکش لڑکی کا باپ ہے جہاں تھا وہیں رک گیا۔

"ڈیڈی میں خودکشی کرلوں گی۔"

"بڑی خوشی ہوگی مجھے اگر تم ایسا کرسکو۔"

"آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ساجد بھی کافی دولت مند ہے۔"

فضل مجید خاموش ہوگیا تھا۔کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔"توقیر سے زیادہ دولت مند نہ ہوگا۔"

"اچھا چلئے یہی سہی.....لیکن دولت مندی ہی تو سب کچھ نہیں ہے۔"

"تو کیا یہ توقیر سے زیادہ لنگڑا ہے۔" اُس کے ڈیڈی نے بے حد زہریلے لہجے میں کہا۔

"خدا کے لئے ڈیڈی سمجھنے کی کوشش کیجئے۔"

"تو پھر توقیر سے زیادہ گدھا ہوگا۔"

"ڈیڈی.....!"

"شٹ اپ.....!" اس نے چیخ کر کہا اور حمید سے بولا۔"کیوں شامت آئی ہے تمہاری۔یہ لڑکی صحیح الدماغ نہیں ہے۔کل تک توقیر پر جان دیتی تھی۔"

"ڈیڈی.....!" وہ وحشیانہ انداز میں چیخی۔

"تم پاگل ہو.....!" فضل مجید دہاڑا۔"لنگڑوں کی بے بسی سے اکتساب لذت تمہارا محبوب مشغلہ ہے۔"

"ڈیڈی میں بہت بھیانک ہوجاؤں گی۔"

"کیا اس سے زیادہ جتنی اب ہو بنی نوع انسان کے لئے۔"

"ساجد تم ان کے بہکانے میں مت آنا۔یہ ہر قیمت پر کوئی بہت زیادہ دولت مند داماد چاہتے ہیں۔"

"میرے پاس کروڑوں کی جائیداد ہے۔!" حمید نے چھاتی ٹھونک کر کہا۔

"اوہ.....تو تم خود ہی جہنم رسید ہونا چاہتے ہو۔"

"نہیں آپ کا فرزند رشید ہونا چاہتا ہوں.....اب غصہ تھوک دیجئے اور مجھے گلے لگالیجئے۔"

"شائد تمہارا ابھی دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

"روحی اگر میری ایک ایک بوٹی بھی الگ کردیں گی تو مجھے شکایت نہ ہوگی۔"

فضل مجید ایک کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

روحی سر جھکائے کھڑی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔وہ تو یہ بھول گیا تھا کہ توقیر

دوسرے کمرے میں موجود ہے۔

کچھ دیر بعد وہ حمید کی طرف مڑ کر مضمحل آواز میں بولا۔ ''اچھا تم دوسرے کمرے میں جاؤ۔ میں روحی سے اس مسئلے پر تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں۔ اگر آپ نے میری عدم موجودگی میں انہیں گولی ماردی تو میں کیا کروں گا۔''

''اچھا تو کیا تمہاری موجودگی میں ایسا نہیں کرسکتا۔'' سر فضل مجید نے آنکھیں نکالیں۔

''چلے جاؤ ساجد.....!'' روحی گھگھیائی۔ ''جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کرو۔ اسی پر ہماری آئندہ زندگی کا انحصار ہے۔''

''آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔'' حمید بیساکھی ٹیک کر اٹھتا ہوا بولا۔

اُس نے اپنی آنکھوں میں تشویش کے آثار پیدا کئے تھے اور احمقانہ انداز میں باری باری سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا کسی نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔ بے خیالی میں پہلی ٹکر فرش پر لے آئی تھی اور حملہ آور اُس پر سوار ہو کر اُس کا گلا گھونٹنے لگا تھا۔

حمید اس حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ جتنی دیر میں وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا توقیر کی گرفت اس کی گردن پر بہت سخت ہوگئی اور اب تو وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔

کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں پھر آنکھوں میں اندھیرا بھی چھانے لگا۔

دفعتاً اس نے سر فضل مجید کی گرج سنی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ توقیر الگ ہٹو..... اُسے چھوڑ دو۔ ورنہ گولی ماردوں گا..... یہ دیکھو میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔''

حمید کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' فضل مجید پھر گرجا۔

توقیر اس پر سے اٹھ گیا۔

''پیچھے ہٹو.....!'' فضل مجید دہاڑا۔

اب تو حمید بھی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''خدا کی پناہ..... یہ تو دونوں ہی لنگڑے نہیں ہیں۔'' فضل مجید نے کہا اور خود لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جالگا۔

توقیر کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی لال لال انگاروں جیسی آنکھوں سے کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا ہو۔

حمید بھی بیساکھی کی مدد کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

''یہ کیا ہوگیا.....؟'' روحی دردناک لہجے میں بولی۔

''میں لنگڑوں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گا۔'' حمید تڑ سے بولا۔ ''تم چاہو گی تو ٹانگیں رکھنے کے باوجود بھی تمہارے پیچھے گھسٹتا پھروں گا۔ تم سے کبھی نہ پوچھوں گا کہ اس سے پہلے تم کتنے لنگڑوں سے محبت کر چکی ہو۔''

''چپ ہو جاؤ دغا باز.....!'' روحی دانت پیس کر چیخی۔

''بس اتر گیا محبت کا نشہ.....!'' سر فضل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ مطمئن رہیے محترم۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''شادی کے بعد بھی یہ دو چار لنگڑوں سے محبت کرسکیں گی مجھے اعتراض نہ ہوگا۔''

''شٹ اپ.....!'' روحی اور اُس کا ڈیڈی بیک وقت چیخے تھے۔

''ابے تو چپ رہتا ہے یا نہیں۔'' توقیر پھر حمید پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار سر فضل نے کچھ نہ کہا۔ ریوالور والا ہاتھ بھی اس نے نیچے جھکا دیا تھا۔

حمید اس بار پوری طرح ہوشیار تھا۔ اُس نے بائیں جانب ہٹ کر اُلٹا داہنا ہاتھ اس کی کنپٹی پر جڑ دیا۔ یہ ہاتھ ایسا سدھا ہوا تھا کہ بھینسا بھی اپنی جگہ سے ہل تو ضرور جاتا۔ لیکن توقیر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ہاتھ کسی ستون پر پڑا ہو۔

توقیر پھر اس کی طرف گھوما اور حمید نے پینترہ بدلنے کی کوشش کی ہی تھی کہ توقیر کی ٹانگ چل گئی اور وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جاٹکرایا۔

دفعتاً سر فضل کی آواز گونجی۔ ”مجھے بتاؤ کہ تم دونوں کیا بلا ہو۔ ورنہ زندہ دفن کردوں گا۔ توقیر جہاں ہو وہیں ٹھہرو..... میں بڑی بے دردی سے گولی مار دیتا ہوں۔“

”مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے ڈیڈی۔“ توقیر نے نرم لہجے میں کہا۔

”تمہیں اب کیا سمجھنے کی کوشش کروں..... ساجد تم بھی اپنی جگہ ٹھہرو..... ہلنا نہیں ورنہ تم جانو۔“

حمید دیوار سے لگا کھڑا رہ گیا کیونکہ سر فضل کا ریوالور پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گیا تھا۔

توقیر نرم لہجے میں بولا۔ ”ڈیڈی..... یہ بات اس کمرے سے باہر نہیں نکلے گی کہ میں لنگڑا نہیں ہوں۔“

”تمہیں تو میں جیل بھجواؤں گا۔“ سر فضل غرایا۔

اس پر توقیر مسکرا کر بولا۔ ”جیسے میں تو تمہارے کرتوتوں سے واقف ہی نہیں۔“

حمید نے سر فضل کو چونکتے دیکھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر توقیر کو گھور رہا تھا۔

پھر دفعتاً وہ توقیر کے دل کا نشانہ لیتا ہوا بولا۔ ”میں سمجھ گیا۔ تم کوئی سرکاری جاسوس ہو۔“

توقیر ہنس پڑا اور حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں تو نہیں لیکن یہ ضرور ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”مجھے شبہ تھا اسی لئے اس کی ناکارہ ٹانگ کا طبی معائنہ کرایا تھا۔“

”لیکن ڈاکٹر نے تو اسے ناکارہ ہی قرار دیا تھا۔“ روحی بولی۔

”پھر بھی..... آپ دیکھ ہی رہی ہیں اسے.....!“

”میں تو تمہیں بھی دیکھ رہی ہوں.....!“ روحی زہریلے لہجے میں بولی۔

”تم ملازمین کو دیکھو۔“ فضل مجید توقیر اور حمید کو گھورتا ہوا روحی سے بولا۔ ”میں انہیں یہیں ختم کروں گا۔“

”بہت احتیاط سے ڈیڈی۔“

”تم بےفکر رہو۔“ فضل مجید نے کہا اور روحی اس کمرے سے چلی گئی۔

حمید نے ابھی تک توقیر کے چہرے پر بےاطمینانی یا الجھن کے آثار نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے کسی بہت زیادہ دلچسپ گفتگو میں حصہ لے رہا ہو۔

دفعتاً اُس نے ہنس کر کہا۔ ”سر فضل! میں نے روحی کے احترام میں تم سے کھل کر گفتگو نہیں کی تھی۔ تم کم از کم مجھے بےوقوف نہیں بنا سکتے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”تم آخر سرکاری جاسوسوں سے کیوں خائف ہو۔ ہمیں سرکاری جاسوس ہی سمجھ کر مار کیوں ڈالنا چاہتے ہو۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ فضل مجید غرایا۔

”یہی کہ معمولی سی مشابہت ہر ایک کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔“

”کیا مطلب.....؟“

”تم سر فضل مجید سابق والئی بونگا اسٹیٹ نہیں ہو۔“

”آ..... ہم.....!“ فضل مجید نے طویل سانس لی۔

”لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ مجھے روحی سے بےاندازہ محبت ہے اور میں قانونی طور پر اُسے اپنا بنانا چاہتا ہوں۔“

”بکواس کر چکے تم..... اب مجھے بھی کچھ کہنے دو۔“

”میں سن رہا ہوں.....!“ توقیر نرم لہجے میں بولا۔

”تم بھی کوئی اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ ورنہ لنگڑے پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے۔“

”میں کب کہتا ہوں کہ میں اچھا آدمی ہوں۔“

”لیکن میں فضل مجید والئی بونگا اسٹیٹ ہی ہوں۔“

توقیر نے زہریلے لہجہ میں قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”میری معلومات بہت وسیع ہیں دوست! سر فضل مجید اس وقت مغربی برلن میں الیکٹرونکس میں سر کھپا رہا ہوگا۔“

”میں اب تمہیں کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اتنی آسانی سے مار لیا جاؤں..... میرا نام توقیر ہے اور یہ بھی سنو کہ تمہارے کرتوتوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ بیگم نصیر کے پرس سے تجوری کی کنجی تم نے ہی پار

کی تھی۔ یاد کرو جب میں نے تم لوگوں کو اپنے پکائے ہوئے مرغ کھلائے تھے اور پہلی بار میرا تعارف تم لوگوں سے ہوا تھا۔ اسی دن بیگم نصیر کی تجوری سے ہیروں کے دو ہار غائب ہوئے تھے۔"

"روحی کی واپسی تک بکواس کرلو۔ وہ ملازمین کا انتظام کرنے گئی ہے اس کے بعد...... ہونہہ..... یہ ریوالور بے آواز ہے۔ نال پر چڑھا ہوا سائیلنسر تو تم پہچانتے ہی ہو گے۔"

"تیز آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں اپنا بزنس پارٹنر بننے کی پیش کش بھی کرتا ہوں۔" توقیر مسکرا کر بولا۔

"بزنس پارٹنر.....!"

"ہاں..... آں..... بہت لمبا بزنس ہے میرا۔ اربوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے بعض اوقات۔"

"ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"پورے مڈل ایسٹ اور فار ایسٹ کے کچھ حصے کا بے تاج بادشاہ سمجھ لو مجھے۔"

"منشیات کی تجارت.....؟" سر فضل نے پوچھا۔

"منشیات کے علاوہ بھی..... سونا اور جواہرات.....!"

"پھر یہ کون ہے؟" سر فضل نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں روحی واپس آ گئی۔

"کیا رہا.....!" سر فضل نے پوچھا۔ جواب میں روحی نے کہا۔ "بے ہوشی ملادی تھی کافی میں۔ تینوں بے ہوش پڑے ہیں۔"

"ویری گڈ..... اب میرے پیچھے کھڑی ہو جاؤ..... میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔ خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے بڑا دھوکہ کھایا۔"

"آخر تم کس طرح مطمئن ہو سکتے ہو۔" توقیر نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"اگر میں تمہارے بیان پر یقین بھی کرلوں اور تمہارا پارٹنر بننا بھی منظور کرلوں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم بعد کو مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کرو گے۔"

توقیر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "اس کی تدبیر بھی ہو سکتی ہے۔ ہم دونوں ہی اپنے

جرائم کے اعتراف نامے ایک دوسرے کے حوالے کر دیں۔ اس طرح ہم دونوں ہی کی کور ایک دوسرے سے دبتی رہے گی۔"

"چلو یہ ٹھیک ہے۔ بہت اچھی تجویز ہے۔" سر فضل سر ہلا کر بولا۔

"لیکن یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ میں یہ سب کچھ روحی کے حصول کے لئے کر رہا ہوں۔"

"کیا حرج ہے ڈیڈی۔" روحی بول پڑی۔ "بقیہ دنیا کے لئے تو یہ اس کے بعد لنگڑے ہی ہوں گے۔ میں بھی لنگڑا سمجھوں گی۔"

"بڑی اعلیٰ نسل کی کتیا معلوم ہوتی ہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"شٹ اپ.....!" سر فضل اور توقیر بیک وقت دہاڑے اور پھر سر فضل غرایا۔ "کیوں نہ اسے ختم کر دیں۔"

"ابھی نہیں۔" توقیر نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ یہ حقیقتاً کون ہے؟"

"تو پھر.....؟"

"اسے باندھ کر یہیں ڈال دیں اور جو بات زبانی طور پر ہوئی ہے اُسے تحریر میں آ جانے کے بعد میں اسے دیکھ لوں گا۔"

ذرا ہی سی دیر میں روحی اور توقیر نے اُسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

حمید بڑی گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ لڑ جانا چاہتا تھا لیکن اپنی جانب اٹھے ہوئے ریوالور کی نال بھی اُسے صاف نظر آ رہی تھی۔

روحی نے اپنے وینٹی بیگ سے قلم نکالا اور پھر شائد کاغذ کی تلاش میں باہر چلی گئی۔

توقیر اور سر فضل خاموش کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہی سادہ کاغذ کے شیٹ لئے الگ الگ بیٹھے نظر آئے۔ ان کے قلم تیزی سے چل رہے تھے۔ پندرہ منٹ بعد دونوں نے تحریروں کا تبادلہ کیا اور انہیں بغور پڑھنے لگے۔

"بہت بڑے بڑے کارنامے ہیں۔" توقیر طویل سانس لے کر بولا۔

"تم کس سے کم ہو۔" سر فضل مجید اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

دونوں نے ایک دوسرے کے اعتراف نامے تہہ کر کے جیب میں رکھ لئے۔

"دوستی کا ہاتھ.....!" توقیر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

سر فضل نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "طاقت دکھا رہے ہو۔"

"کیا حرج ہے۔" توقیر مسکرایا۔ "روحی اکثر تمہاری جسمانی قوت کی کہانیاں سناتی رہی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جرائم سے تو واقف ہی ہو گئے ہیں..... کیوں نہ ایک دوسرے کی طاقت کا بھی اندازہ کر لیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں توقیر.....!" سر فضل نے کہتے ہوئے جھٹکا دیا اور توقیر اُس سے آ ٹکرایا۔ پھر دوسرا دھکا اُسے سامنے والی دیوار تک لے گیا۔ حمید ایسی پوزیشن میں پڑا ہوا تھا کہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اس نے توقیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ وہ غراتا ہوا سر فضل کی طرف بڑھا۔

"اب میرا بھی ایک ہاتھ سنبھالو..... میں غافل تھا۔"

"آؤ..... آؤ.....!" سر فضل نے پرسکون لہجے میں کہا۔ اُدھر روحی حمید کی طرف جھپٹی اور اُس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا اور سر سہلاتی ہوئی بولی۔ "انہیں زور آزمائی کرنے دو۔ اس وقت تو تم لنگڑوں سے بھی بدتر نظر آ رہے ہو۔ اس لئے مجھے تم پر پیار آ رہا ہے۔"

"تم کتیا سے بھی بدتر ہو..... اپنی مثال آپ..... اپنی قسم کی پہلی لڑکی..... مجھے بڑا ناز تھا اپنی اس صلاحیت پر کہ میں عورتوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن..... لیکن اب میں اپنے انجام سے بے پرواہ ہو کر صرف تمہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کیا..... یہ تو سچ مچ مرنے مارنے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔"

"اُدھر مت دیکھو تم.....!" روحی نے بدستور اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھے لگ رہے ہو اس وقت..... بہت پیارے..... کاش میں ڈیڈی کی موجودگی میں تمہیں پیار کر سکتی۔"

"کاش میرے ہاتھ آزاد ہوتے اور میں تمہارا گلا گھونٹ سکتا۔"

"اسی وجہ سے تو پیارے لگ رہے ہو کہ تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔"

"یہ کیا کر رہے ہو۔" دفعتاً توقیر چیخا۔

"اب تمہارے دونوں پیر بیکار کر رہا ہوں..... توقیر.....!"

سر فضل کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی ایک بہت ہی کریہہ چیخ بھی کمرے کی محدود فضا میں گونجی۔

یہ سب کچھ ہو گیا لیکن روحی حمید کا سر سہلاتی رہی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" حمید بڑبڑایا۔

"ڈیڈی نے اس کے دونوں پیر بیکار کر دیئے..... اب میں اُسے پہلے سے زیادہ چاہوں گی۔ ٹخنے اکھاڑ دیئے ہوں گے۔ اس فن کے ماہر ہیں ڈیڈی۔" اتنا کہہ کر اس نے جو حمید کے سر کے نیچے سے زانو ہٹایا تو حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ سر فرش سے ٹکرایا تھا۔ پھر وہ شدید ترین تکلیف میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ہنس پڑا۔ کیونکہ اب وہ توقیر کا سر اپنے زانو پر رکھے سہلا رہی تھی۔ توقیر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ فرش پر چت پڑا تھا۔

سر فضل قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔ "واقعی تم بہت جیالے ہو توقیر کہ بے ہوش نہیں ہوئے۔ تمہارے دونوں ٹخنے اکھڑ گئے ہیں اور تم اُسوقت تک اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہو سکو گے جب تک وہ بٹھا نہ دیئے جائیں۔"

لیکن وہ کچھ دیر پہلے والے فضل مجید کی آواز تو نہیں تھی۔

"کیا.....؟" حمید کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔

"فکر کی بات نہیں ہے فرزند.....!" اس نے فریدی کی اصل آواز سنی۔

"توقیر کا یہ خیال کیسے غلط ہو سکتا ہے کہ میں فضل مجید کی نقل ہوں۔"

"یعنی..... تو یہ توقیر.....!"

"ہاں..... عرصہ ہوا اس نے کہا تھا کہ اس کے خلاف کبھی کوئی جرم ثابت نہ کیا جا سکے گا اور پھر اس نے یہ بات مجھ سے کہی تھی۔ لہٰذا تم دیکھ ہی چکے ہو کہ اُس نے خود ہی اپنے جرائم کی

فہرست اپنے دستخط سمیت میرے حوالے کی ہے۔"

"تو کون ہے.....؟" توقیر پھنسی پھنسی سی آواز میں چیخا۔

"احمد کمال فریدی.....اور میرا تعلق مرکزی محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

پھر وہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔ روحی بھی توقیر کے پاس سے ہٹ آئی تھی۔

"اور یہ.....!" کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ "کیپٹن ساجد حمید میرا اسسٹنٹ ہے۔"

"لل.....لیکن.....روحی.....!" حمید ہکلایا۔

"لیڈی انسپکٹر ریکھا.....تم کتنے احمق ہو.....قریب سے بھی اُسے میک اپ میں نہیں پہچان سکتے۔"

"جی.....!" حمید جلے کٹے لہجے میں بولا۔ "اب مجھے آپ کے اس کمال کی تقریباً ایک ہزار بار تعریف کرنی چاہئے۔"

دوسرے دن کرنل فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "تم اُلو ہو۔ میں جب اور جس طرح چاہوں تمہیں استعمال کرسکتا ہوں۔ اگر براہِ راست تمہیں اس کام پر مامور کرتا تو تم سے حماقتیں سرزد ہوتیں۔ نہ تم روحی میں اجنبیت محسوس کرسکتے اور نہ اداکاری میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے۔ ریکھا محض تمہیں دکھانے ہی کے لئے اُن لوگوں کی راہ روکتی تھی۔ جو اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقصد تھا کسی طرح وہ تمہیں اپنی طرف متوجہ کرے اور تم اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ آر لکچو والا دھماکہ اسی مقصد میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے ہوا تھا۔ البتہ آصف پر زہریلا مادہ مجرموں ہی نے پھینکا تھا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے حمید صاحب۔ پانچ سال سے چل رہی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی کڑیاں بھی ملاتا رہتا تھا۔ توقیر یہاں کا ایک بڑا تاجر تھا۔

ہی مڈل ایسٹ میں رہتا تھا اور کبھی یہاں آجاتا تھا۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ لنگڑا بن کر پس آیا۔ مشہور کیا کہ اُس پر فالج کا حملہ ہوا تھا ایک ٹانگ بیکار ہوگئی۔ اس بار وہ منشیات کی جائز تجارت کا جال پھیلا کر آیا تھا۔ اس طرح کہ عام کارکنوں کو علم نہ ہوسکے کہ تجارت کا اصل لک کون ہے۔ میں نے چھان بین کی تو سلسلہ توقیر تک پہنچا۔ لیکن کوئی واضح ثبوت نہ تھا اس ے خلاف اور پھر یہ ایک منسٹر کا بھتیجا بھی تھا۔ دال نہ گل سکی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لنگڑا بھی نہیں ے۔ لیکن بغیر کوئی ثبوت ہاتھ آئے اس کا میڈیکل ایکزامینیشن بھی نہیں کرایا جاسکتا تھا۔ لہٰذا ں نے یہ تدبیر اختیار کی۔ لنگڑا بن جانے کے بعد سے وہ عورتوں کی صحبت کو ترس گیا تھا۔ لیکن گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بعد سے وہ کسی ایسی عورت کی تلاش میں تھا جو اس سے محبت بھی ر سکے۔ میں نے خود کو سر فضل مجید کی حیثیت سے اس کے حلقہ احباب میں متعارف کرانا روع کیا۔ ریکھا میری بیٹی بنی۔ ڈھکے چھپے انداز میں توقیر پر یہ بھی ظاہر کرتا رہا کہ میں بھی یک عادی مجرم ہوں۔ اُدھر ریکھا بھی اس میں دلچسپی لیتی رہی اور وہ اس پر ہزار جان سے ریفتہ ہوگیا۔ اس کی حالت تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ریکھا کو میں نے محض اس لئے شریک کیا تھا س کیس میں کہ توقیر کبھی اور کسی موقع پر اپنے مصنوعی لنگڑے پن کو بھول جائے۔ بس اسی جگہ وہ پوری طرح میری گرفت میں آجاتا۔ میرا خیال تھا کہ عورت سے متعلق فطری تقاضے اُسے اس قسم کی بوکھلاہٹ میں مبتلا کرسکیں گے کہ وہ کسی نقطے پر اپنا لنگڑا پن قطعی بھلا بیٹھے لیکن تم اُسے رات دیکھ ہی چکے ہو کہ وہ کس طرح اپنا لنگڑا پن برقرار رکھے تھا۔ اس رات وہ سب کچھ پہلی بار نہیں تھا۔ ریکھا اس سے پہلے بھی اس قسم کے حربے اس پر استعمال کرچکی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ رقابت ہی کا جذبہ ہوگا جو اُسے راستے پر لا سکے۔ لہٰذا تمہیں اس طرح الجھانے کی کوشش کی گئی کہ تمہیں اصل بات کا علم نہ ہوسکے۔"

"اگر سچ مچ میرا دم گھٹ جاتا تو.....!" حمید نے جل کر کہا۔

"اتنی مہلت کب دیتا اُسے۔ سب کچھ میرے اندازے کے مطابق ہوا تھا۔"

"تصویر.....اور تصویر کے دشمن کا کیا چکر تھا۔"

''وہ چکر بھی توقیر کا ہی چلایا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اس کی طرف سے آنکھیں قطعی بند کر لی تھیں۔ منشیات کی ناجائز تقسیم کی روک تھام کے لئے عرصہ سے شہر میں سفید پوش کانسٹیبلوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ کچھ دنوں تک توقیر کا گروہ تقسیم کاری کی دشواریوں میں مبتلا رہا۔ پھر اس نے یہ تدبیر کی۔ دیوانہ کتاب اٹھا کر بھاگتا تھا اور عوام کے سفید پوش کانسٹیبل بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑتے تھے اور گروہ والوں کو موقع مل جاتا تھا کہ منشیات کے اسٹاک اڈوں پر پہنچا دیں۔''

''لیکن وہ لوٹ مار.....!''

''میرا خیال ہے کہ معمولی چوروں اور اچکوں کی بھی بن آئی تھی ان مواقع پر۔ توقیر کا گروہ اس میں پڑ کر مزید خطرات مول لینے کی جرأت نہ کرتا۔ بہر حال اس دیوانے کو بہت زیادہ پُراسرار بنانے کے لئے ایک ہی مصنف کی ایک ہی کتاب کی کاپیاں اٹھوائی جاتی رہی ہیں اور کتاب کا صرف سرورق پھاڑا جاتا اور کتاب کی قیمت بھی کسی نہ کسی طرح دوکاندار کو بھجوادی جاتی۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ پولیس اس معمے کو حل کرنے کے چکر میں پڑی رہے اور وہ لوگ بہ آسانی نشہ آور چیزیں تقسیم کے اڈوں تک پہنچاتے رہیں۔ بہر حال توقیر گرفت میں آہی گیا۔ اس کا اعتراف جرم تحریری شکل میں میرے پاس موجود ہے اور اس کمرے کی ساری کہانی ٹیپ ریکارڈ پر بھی ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔ اگر اس نے اعتراف نامے کو پولیس کے جبر کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی تو ریکارڈ کیا ہوا ٹیپ اُسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دے گا۔''

''اس ساحلی ہوٹل میں ایک جہاز راں سے آپکا جھگڑا کیوں ہوا تھا؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہ سارا سٹ اپ تمہیں الجھانے کے لئے تھا۔ وہ چاروں جہاز راں بلیک فورس کے ممبر تھے۔ اسکیم یہ تھی کہ وہ پٹ کر تمہاری گاڑی لے بھاگے گا اور تم مجبوراً میری گاڑی میں ہی آ بیٹھو گے اور میں تمہیں وہ دکھاؤں گا جو دکھانا چاہتا تھا۔ اس کا انتظام بھی پہلے ہی سے کر لیا تھا کہ وہاں کوئی تیسری گاڑی پارک نہ ہونے پائے۔''

''اللہ رحم کرے میرے حال پر.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اب احساس ہ
ہے مجھے کہ میں ایشیا کا عظیم ترین بدھو ہوں۔''

حمید آفس کے کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر لیڈی انسپکٹر ریکھا کا منتظر تھا۔ وہ اسکوٹر پر آتی تھی حمید کا ارادہ تھا کہ وہ آصف تک پہنچنے کے لئے اس کا اسکوٹر استعمال کرے اور اس طرح کرے کہ وہ اسکوٹر چلا رہی ہو اور حمید تماشا بنا اس کے پیچھے بیٹھا ہوا نظر آئے اور اس خواہش کا تعلق کسی محکماتی کارروائی سے نہیں تھا بلکہ وہ آصف کی عیادت سے پہلے بہت زیادہ خوش طبعی کا مظاہرے کا موڈ بنانا چاہتا تھا۔

جیسے ہی ریکھا کا اسکوٹر قریب پہنچا حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اُسے اسکوٹر روکنا پڑا۔

''اس وقت کمپاؤنڈ میں کوئی گاڑی موجود نہیں۔ بے حد ضروری ہے کہ آصف سے کچھ معلوم کی جائیں۔ چلو میرے ساتھ۔'' حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کیوں جاؤں.....تم گاڑی لے جاؤ''

''میرے بازوؤں میں سخت درد ہو رہا ہے۔ ہینڈل کو صحیح طور پر گرپ نہیں کر سکوں گا۔''

''اچھا تو بیٹھو.....!'' وہ جھلا کر بولی۔

اسکوٹر دوسری طرف مڑ ہی رہا تھا کہ ریکھا بولی۔ ''میرے جسم سے الگ ہی رہنا۔''

''اور پرسوں رات جو سر سہلا رہی تھیں میرا، زانو پر رکھے.....آہا ٹھیک ہے وہ تو ڈیڈی کی بات سے تھا۔''

''شٹ اپ.....!''

''اچھا یہ بتاؤ اگر وہ سچ مچ اپنے پیروں پر کبھی کھڑا ہو گیا ہوتا تو کیا ہوتا۔''

''سوچے جاؤ احمقوں کی طرح۔''

''کاش میں لنگڑا ہی ہوتا۔ کم از کم شادی پر تو راضی ہو گئی تھیں۔''

''شٹ اپ.....!''

"اس میک اپ میں پھر کبھی ملو گی۔"

"ضرور..... ضرور..... ہائیں..... ارے..... لو کلچ وائر ٹوٹ گیا۔"

اسکوٹر سڑک کے کنارے رک گیا۔ حمید اُتر پڑا۔

"اب کیا کریں..... یہاں آس پاس کسی آٹو پارٹ ڈیلر کی دوکان بھی نہیں۔ اب تم اسے کھینچ کر لے چلو۔"

"میں کھینچوں؟"

"ارے وہ دیکھو اس طرف..... عادل آٹوز..... وہ رہی دوکان..... دوڑ کر کلچ وائر ہی لے آؤ۔"

"لگائے گا کون.....؟"

"دوکاندار سے معلوم کر لینا..... ہو سکتا ہے وہیں کوئی لگا دے اور پھر اس کا لگانا کون سا بڑا مشکل کام ہے۔"

حمید نے جھپٹ کر سڑک پار کی اور پھر جو مڑ کر دیکھا ہے تو احمقوں کی طرح دیکھتا ہی چلا گیا۔ ریکھا نے دوبارہ اسکوٹر اسٹارٹ کیا تھا اور یہ جا وہ جا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

خوش طبعی رخصت ہو گئی۔ پہلے تو ذہن پر کھسیاہٹ کا حملہ ہوا پھر جھنجھلاہٹ نے رہے سہے موڈ کا بھی بیڑا غرق کر دیا۔

آصف کی عیادت کو تو جانا ہی تھا کیونکہ فریدی کی طرف سے اس کے لئے ہدایت ملی تھی۔

ایک آٹو رکشا میں آصف تک پہنچا۔

وہ چت لیٹا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ چہرے کی حالت ابتر ہی تھی۔ ابھی آبلے خشک ہو چلے تھے لیکن ان کی مٹیالی رنگت نے چہرے کو عجیب سا بنا دیا۔ حمید کو دیکھتے ہی غرایا "چلے جاؤ یہاں سے..... مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے تو ضرورت ہے کہ بخیر و عافیت رہوں۔ حکم ملا ہے کہ آپ کی عیادت کو جاؤں لہٰذا حاضری دے رہا ہوں۔"

"تم لوگوں کا یہ کمینہ پن زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنے ساتھ میرا ذہن بھی تباہ کر رہے ہیں۔ اس گروہ کے ایک کارکن کا تحریری بیان موجود ہے جس نے آپ پر زہریلا مادہ پھینکا تھا۔ مقصد صرف یہی تھا کہ پولیس اس دیوانے کا معمہ حل کرنے میں لگی رہے۔"

"وہ لڑکی پکڑی گئی یا نہیں۔"

"میں پکڑا گیا تھا اور وہ لڑکی میرا سر سہلا رہی تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی مجھے بھی چھوڑ بھاگی ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اب آپ جلدی سے اچھے ہو جائیے پھر سارے پرائیویٹ حالات کھول کھول کر بیان کر دیئے جائیں گے۔"

آصف بُرا سا منہ بنائے ہوئے پڑا رہا..... اور حمید سوچ رہا تھا کہ عیادت میں کم سے کم کتنا وقت صرف کیا جانا چاہئے۔

ختم شد